بسم الله الرحمن الرحيم

تشرف باعداد هذا الكتاب

شعبة توعية الجاليات بالزلفى

وزارة الشئون الاسلامية والاوقاف والدعوة والارشاد
الزلفى ١١٩٣٢ - المنطقة الصناعية - ص.ب: ١٨٢
ت: ٠٦٤٢٣٤٤٦٦ - فاكس: ٠٦٤٢٣٤٤٧٧
حساب الطباعة: ١/٦٩٦٠ - الحساب العام: ٣/٦٩٥٩
مصرف الراجحي - فرع الزلفى

اس کتاب کو **شعبة توعية الجاليات - الزلفى** نے طبع کیا
پوسٹ باکس نمبر:182،الزلفی11932 سعودیہ عربیہ
ٹلیفون:4466 423 06 فاکس:4477 423 06

فہرست

موضوع — صفحہ

مقدمه

ان الحمد لله ،نحمده ، و نستعينه، و نستغفره، و نستهديه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له، واشهد ان محمدا عبده ورسوله، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا.

أمابعد: بےشک اللہ-ﷻ- کی خاطر محبت کرنا ایمان کی بنیاد اور ایمان کا مضبوط کڑا ہے، جیسے کہ الصادق المصدوق-ﷺ- نے خبر دی۔

محبت کی کچھ راہیں ہیں جن کو رب نے اہل ایمان کے درمیان قائم کیا ہے، اُن کے دلوں کو اِن راہوں کے ذریعے سے جوڑا ہے، اوران کا ذکر قرآن کریم میں بہت سی جگہ کیا ہے۔فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤمِنُون اِخوَة﴾[الحجرات: ١٠]۔

''مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔نیز-ﷻ- نے ارشادفرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰه جَمِيعًاوَلاَ تَفَرَّقُوا﴾۔[آل عمران: ١٠٣]۔

''اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو''۔اس بابرکت ذات کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿وَاَلَّفَ بَينَ قُلُوبِهِم لَو اَنْفَقْتَ مَا فِى الْارضِ جَمِيعًا مَا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيم﴾۔[الانفال: ٦٣]۔

''ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا بھی خرچ کرڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملاسکتا۔یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے۔وہ غالب حکمتوں والا ہے''۔

اللہ۔ﷻ۔ نے دوستی وباہمی تعلقات کواہل ایمان کے لئے خاص کیا ہے۔فرمایا:

﴿وَالْمُؤمِنُونَ وَالْمُؤمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَولِيَاءُ بَعض﴾۔ [التوبہ: ۷۱]۔

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگارومعاون اور) دوست ہیں''۔

نیز اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُون، وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَاِنَّ حِزبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُون﴾۔ [المائدہ: ۵۵،۵۶]۔

'' (مسلمانو) تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے، ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع وخضوع سے) کرنے والے ہیں۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی''۔

نبی۔ﷺ۔ نے بھی محبت کی راہوں کا ذکر فرمایا ہے، بلکہ آپ نے ہی ان کی بنیاد ڈالی، اور اُس کی عمارت کو مضبوط کیا اور قیامت کے دن تک آپ کے پیروکاروں کے دلوں میں محبت کو جاگزیں فرمایا۔حضرت ابو ہریرہ۔رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے، رسول اللہ۔ﷺ۔ نے فرمایا:

(حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ) قِيلَ مَاهُنَّ يَا رَسُولُ اللّٰه؟ قَالَ: (اِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيهِ، وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ، وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ). [۱]

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں''، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''(۱) جب تو اس سے ملاقات کرے تو سلام کرے، (۲) جب وہ تجھے دعوت دے تو قبول کرے، (۳) جب وہ تجھ سے نصیحت طلب کرے تو نصیحت کرے، (۴) جب وہ چھینک کر الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دے، (۵) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اور (۶) جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو''۔

☆ یہ (روزمرہ زندگی کے) وہ مسائل ہیں جن کی ضرورت ہر ایک کو ہے، (آپ دیکھتے ہونگے کہ) کوئی دن رات ایسی نہیں گزرتی مگر ہم میں سے کسی آدمی کو ایسے کاموں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے بھائیوں کے ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ کسی بیمار کی عیادت نہیں کرتے، یا کسی جنازہ میں شریک نہیں ہوتے، یا کسی کو سلام نہیں کرتے۔

جب میں نے ان امور کو بہت واضح اور عام دیکھا تو اللہ -ﷻ- سے مدد طلب کرتے ہوئے اس کتاب کا مواد اکٹھا کرنے لگا، جس میں میں نے بعض ایسے کاموں/اسباب کا تذکرہ کیا جو محبت کو جوڑ دیتے ہیں اور اس کا نام تجویز کیا: **''محبت کی راهیں''**۔ یہ سب سے پہلے خود میرے لئے نصیحت ہیں پھر اپنے بھائیوں کی ترغیب کے لئے تاکہ محبت والفت اور مودت مسلمانوں کے درمیان عام ہو جائے۔

تو آیئے آپس میں محبت کریں......

آیئے آپس میں جڑ جائیں......

آیئے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومودت کریں......۔

اسلامی آداب

پھلاادب: اسلام میں آداب ملاقات

١- سلام ... اسلامی طریقه سلام (تحیت):

جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا سامنا کرے تو نبی -ﷺ- نے فرمایا:

(اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیه). [٢]

''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے''۔

سلام یہ وہ طریقہ سلام ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے لئے بھیجا اور یہی اہل جنت کا بھی سلام یا تحیت ہے، باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهُ سَلاَمٌ﴾۔ [الاحزاب: ٤٤]۔

''جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کی تحیت سلام ہوگا''۔

اور یہ وہ تحیت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے متبعین اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لئے پسند فرمایا۔ اب کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسلامی طریقہ تحیت (سلام) کو بدل کر غیر قوموں کے طریقہ تحیت کو اختیار کرے، جیسے: (صَبَاحَ الْخَیر)، (اَھْلاً وَ سَھْلا) ، (اَنْعَمَ صَبَاحاً) ''صبح بخیر، گڈ مارننگ، خوش آمدید'' وغیرہ الفاظ۔

حضرت عمران بن حصینؓ نے کہا: ہم جاہلیت میں کہتے تھے: (اَنْعَمَ اللّٰهُ بِکَ عَیْنا)، (اَنْعَمَ صَبَاحاً) جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے روک دیا گیا۔ [٣]

ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کی ہے کہ وہ جاہلیت میں (حُیِّیتَ مَسَاءً، حُیِّیتَ صَبَاحاً) ''شب بخیر، صبح بخیر'' کہا کرتے تھے تو اللہ نے سلام کے ذریعے ان طریقوں کو بدل دیا۔☆

اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس عظیم تحیت ، سلام شرعی کے ذریعہ ہی اپنی ملاقات کا آغاز کرے، جوکہ نبی -ﷺ- سے ثابت سنت ہے۔

اللہ عزوجل کاارشاد ہے: ﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيباً﴾۔ [النساء: ٨٦].

''اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو، بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے''۔

﴿بِأَحْسَنَ مِنْهَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سلام کے جواب میں بعض الفاظ کا اضافہ کردو، چنانچہ جب وہ سلام کرتے ہوئے کہے: **السلام عليكم ورحمة الله** تو جواب میں تم کہو: **وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته** ، یا ''انہی الفاظ کو لوٹا دو'' کا مفہوم یہ ہے کہ جو الفاظ سلام کرنے والے نے کہے تھے وہی کہہ دو: **وعليكم السلام و رحمة الله**۔

امام ابو داود اور امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین -رضی اللہ عنہ- سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نبی -ﷺ- کے پاس آیا اور السلام علیکم کہا، آپ -ﷺ- نے سلام کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا، آپ -ﷺ- نے فرمایا: (دس نیکیاں)۔ دوسرا شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا، آپ -ﷺ- نے اس کے سلام کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا، آپ -ﷺ- نے فرمایا: (بیس نیکیاں)۔ ایک اور شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا آپ -ﷺ- نے اس کے سلام کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا، آپ -ﷺ- نے فرمایا:

(تیس نیکیاں)[٤]۔یعنی تیس نیکیاں اس شخص کے لئے جس نے پورا پورا سلام کیا۔
یہ ہے آپ-ﷺ- کی تعلیمات اور اپنے صحابہ کو تعلیم دینے کا طریقہ، جب وہ آپ کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنائیں اور آپ کے طریقہ پر چلیں تو ا کیلئے اللہ سے ملنے والا جو اجر عظیم ان کا انتظار کر رہا ہے، اس کی خوشخبری اپنے صحابہ کو دیتے ہوئے کس طرح ان کے دلوں میں سنت کی محبت کو جا گزیں کر رہے ہیں۔ذرا غور کریں؟۔

٢- سلام کس سے کریں؟:

حضرت عبداللہ بن عمر-رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی-ﷺ- سے سوال کیا کہ اسلام کا کون کونسا کام سب سے بہتر ہے؟ آپ-ﷺ- نے فرمایا:''تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اسے جسے پہچانتے ہو اور جسے نہیں پہچانتے ہو)۔[٥]
یہ بھی ایک اسلامی اور نبوی طریقہ ہے کہ آپ ہر اس مسلمان کو سلام کریں جسے آپ جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔بعض سلف صالحین نے کہا: بعد والے لوگوں کے ہاں سلام کرنا صرف اپنے پہچان والوں میں محدود ہو کے رہ گیا، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، اس لئے مسلمان پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سلام کو خوب پھیلائے چاہے کسی کو جانے یا نہ جانے، سوائے یہود و نصاریٰ، مشرکین اور بُت پرستوں کے۔ یہ حدیث یا دیگر احادیث جو لوگوں کے باہمی حقوق کے بارے میں آئی ہیں سب میں صرف مسلمان مقصود ہیں۔ چنانچہ ایک آدمی جو اسلامی معاشرہ میں زندگی بسر کرتا ہو، اس سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ ہر ملاقاتی کو سلام کرے چاہے وہ اس کا جانا پہچانا

دوست، قریبی ہو یا اس کو نہ پہچانتا ہو۔

معاشرتی طور پر ہم اس کا ملاحظہ کرتے ہیں کہ ہم آج کل صرف اپنے جان پہچان لوگوں کو ہی سلام کرتے ہیں، آپ راستوں میں لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کسی ایسے شخص ہی کو سلام کریں گے جسے وہ پہچانتے ہونگے البتہ جس سے پہچان نہیں ہوگی اسے سلام نہیں کرتے، یہ نادان لوگوں کا عمل ہے اور آپ -ﷺ- کے سنت کے خلاف بھی۔

چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب آدم -علیہ السلام- کو اللہ نے پیدا کیا تو فرمایا: ''جاؤ فرشتوں کی وہ جماعت جو بیٹھی ہے انہیں سلام کرو اور غور سے سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا آداب ملاقات ہوگا، حضرت آدم -علیہ السلام- گئے اور السلام علیکم کہا، جواب میں فرشتوں نے کہا: السلام علیك و رحمة الله، یعنی رحمة الله کا اضافہ کیا''۔[٦]

یہ ہے آدم -علیہ السلام- اور ان کی اولاد کا سلام، اور جنت والوں کا بھی یہی سلام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا:

(لاَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا ، وَلاَ تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا ، أَوَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَیءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُو السَّلاَمَ بَيْنَكُم). [٧]

''تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ، اور مومن اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگ جاؤ، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ تم جب اسے اپنا لو تو آپس محبت کرنے لگو گے؟ تم آپس میں کثرت سے سلام کرو''۔

اس حدیث میں آپ-ﷺ- نے واضح فرمادیا کہ جنت میں داخلہ بغیر ایمان کے نہ ملے گا، اور ایمان بنا محبت کے حاصل نہ ہوگا، اور محبت سلام کو پھیلائے بغیر نہیں پیدا ہوگی۔

کثرت سے سلام کرنے کے فوائد:

سلام کو پھیلانے سے دلوں کا کینہ دور ہوگا، خاص کر رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں۔ اسلام میں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہے ہیں، گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنا سفید جھنڈا لہرا کر آ گیا، مجھے امن والا سمجھو اور مجھ سے ڈرو نہیں۔

یہی محبت ومودت کی نشانی ہے جسے آپ-ﷺ- نے قائم کیا، اور اسے مضبوط قائم رکھنے اور قائم و دائم رکھنے کی اپنے صحابہ اور ان کے بعد اپنی امت کو ترغیب دی۔

صحیح بخاری میں حضرت عمار بن یاسر-رضی اللہ عنہ- کا فرمان ہے: جس میں تین چیزیں جمع ہیں تو گویا اس میں مکمل ایمان جمع ہے؛ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا، لوگوں میں سلام پھیلانا اور تنگی کے باوجود خرچ کرنا۔[۸]

یہاں لوگوں میں سلام پھیلانے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندہ متواضع ہو کسی پر اپنا بڑا پن نہ دکھائے، بلکہ چھوٹے بڑے، اونچے مقام والے اور عامی آدمی، پہچان و ناپہچان ہر ایک کو سلام کرے، جب کہ گھمنڈی اور متکبر آدمی اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ تو گھمنڈ اور غرور پن کی وجہ سے کسی سلام کرنے والے کا جواب تک نہیں دیتا تو وہ ہر ایک سے سلام کرنے میں پہل کیسے کرے گا۔[زاد المعاد ۲/ ٤١٠]۔

بچوں کو سلام کرنا:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ -ﷺ- بچوں کے پاس سے گذرے اور انہیں سلام کیا۔[۹]

یہ آپ -ﷺ- کی انتہائی تواضع، رحیم اور نرم خو ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح ان بچوں کے دلوں کو آپ نے عظیم خوشی دے دی۔ کیونکہ اس طرح وہ رسول اللہ -ﷺ- کے سلام کا شرف پاتے رہیں گے، اور جا کر اپنی مجلسوں میں (خوشی خوشی) بیان کریں گے (کہ رسول اللہ -ﷺ- نے ہمیں سلام کیا تھا)۔

اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایسے بچوں کے سامنے تواضع اختیار کرے، اور انہیں بچے سمجھ کر لاپرواہی نہ برتے، بلکہ ان سے ملے جلے۔ اور یہ سلام کرنا انہیں محبت کی تعلیم اور انہیں عالی وعظیم اخلاق تک پہنچانا ہے۔

تاریخ میں ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- حق کے معاملہ میں بڑے قوی اور پُر ہیبت ہونے کے باوجود جب بچوں کے پاس سے گذرتے تو رُک جاتے انہیں سلام کرتے اور ان سے تھوڑی بہت دل لگی کر لیتے حالانکہ وہ اس وقت خلیفۃ المسلمین تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ کے بچوں کے پاس سے آپ کا گذر ہوا اور وہ کھیل رہے تھے، آپ کو آتا دیکھا اور آپ کی آواز اور جلال وطنطنے کو ملاحظہ کیا تو وہ بچے گھروں کو بھاگ گئے (ایسا کیوں نہ ہو جبکہ) عمر سے تو شیطان بھی بھاگ کھڑا ہوتا ہے، بچوں کی کیا مجال ہے؟

بچے کیسے (نہ بھاگتے) ان کے تو دل پرندوں جیسے ہوتے ہیں، کیا ایسے انسان سے نہ بھاگتے جس کا نام سن کر قیصر وکسریٰ کے ہوش اُڑ جاتے ہیں، (ان کے مستقبل کے سنہرے خواب) ناامیدوں میں بدل جاتے ہیں؟

چنانچہ بہرحال سب بچے بھاگ کھڑے ہوئے سوائے عبد اللہ بن زبیر کے، وہ بھاگے نہیں وہیں رُکے رہے، وہ تو ابھی کم سن نوجوان تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از راہ مزاح ان سے کہا: تیرے ساتھی تو بھاگ اٹھے تو کیوں نہیں بھاگا کیا تو ڈرتا نہیں؟

عبد اللہ نے کہا: میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ آپ سے ڈروں، اور نہ ہی راستہ تنگ ہے کہ آپ کو جگہ دینے کے لئے ادھر ادھر ہو جاؤں!

اسی وقت سے ان کی ذہانت و بہادری کا پتہ چل گیا، آپ کیسے ذکی و چالاک نہ ہوں؟ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ان کے والد زبیر بن عوام اور ماں اسماء بنت ابی بکر ہیں۔ ﴿یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں، اور اللہ سنتا جانتا ہے﴾۔[آل عمران ٣٤]۔

٣-غیر حاضر کو سلام بھیجنا:

جس سے سامنا ہوتا خود آپ-ﷺ-اسے سلام کرتے، اور دور رہنے والوں تک کسی کے ذریعے اپنا سلام پہنچاتے۔ چنانچہ یہ واقعہ ثابت ہے کہ ایک دفعہ آپ-ﷺ- نے ایک جوان کو کسی بیمار آدمی کی طرف بھیجا، اس نے وہاں جا کر کہا: رسول اللہ-ﷺ-آپ کو سلام کہتے ہیں۔ [١٠]۔

کسی کو سلام پہنچانے کی ذمہ داری بھی آپ اٹھا لیتے؛ حضرت ابو ہریرہ-رضی اللہ عنہ-سے مروی ہے:

أتٰی جبریلُ النَّبیَّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُولُ اللّٰہ –ﷺ– ھٰذِہِ خَدِیجَۃُ قَدْ أتَتْ مَعَھَا اِنَاءٌ فِیہِ طَعامٌ أو شَرَابٌ فَاِذَا ھِیَ أتَتْکَ فَاقْرَأ عَلَیھَا السَّلاَمَ مِنْ رَبِّھَا وَمِنِّی وَبَشِّرْھَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ مِنْ قَصْبٍ لاَ صَخَبَ فِیہِ وَلاَ نَصَب. [۱۱]۔

حضرت جبریل امین نبی –ﷺ– کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ حضرت خدیجہ –رضی اللہ عنہا– آرہی ہیں، ان کے ہاتھ میں برتن ہے جس میں کھانے یا پینے کی کوئی چیز ہے، جب وہ آپ کے پاس پہنچے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور میرا سلام پہنچا دینا اور یہ خوشخبری بھی دینا کہ ان کے لئے جنت میں موتیوں والا ایسا گھر ہے جس میں نہ شوروشغب ہے نہ تھکاوٹ۔

اسی طرح حضرت جبریل کا سلام آپ –ﷺ– نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی پہنچایا۔[۱۲]۔

☆ صحیح بات یہی ہے کہ الفاظِ ''سلام'' کی تکمیل ''وبرکاتہ'' پر ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام ابوداود اور امام ترمذی نے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور بعض راویوں نے ''ومغفرتہ'' کا اضافہ بھی کیا ہے، لیکن یہ اضافہ ضعیف ہے۔ اس اضافہ کو امام ابوداود نے ایک ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔[۱۳]۔

☆ رسول اللہ –ﷺ– جب سلام کرتے تو تین دفعہ کرتے۔ جیسا کہ صحیح بخاری، سنن ترمذی اور مستدرک الحاکم میں حضرت انس –رضی اللہ عنہ– سے مروی ہے۔[۱۴]

آپ –ﷺ– کا یہ طریقہ شاید اس وقت ہوتا جب آپ ایسے جم غفیر کو سلام کرتے جن تک ایک ہی بار سلام کرنا نہ پہنچتا تو جب آپ کو گمان ہوتا کہ ایک دفعہ سلام کرنے سے سب کو نہیں پہنچا (تو آپ

دوبارہ سلام کرتے)،جیسا کہ حاکم کی ایک روایت میں اس بات کی وضاحت ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ-ﷺ-سعد بن عبادہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، چنانچہ دروازے کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:"السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" ،حضرت سعد نے سلام سن کر آہستہ سے جواب دیا،اوراپنی آواز بلند نہ کی۔دوبارہ آپ-ﷺ-نے سلام کیا،تب بھی سعدؓ نے دل ہی میں جواب دیا، نبی-ﷺ-تک آواز کو پہنچنے نہ دیا،تیسری بار آپ-ﷺ-نے سلام کیا،اس بار بھی سعد نے چپکے ہی جواب دیا،آپ-ﷺ-تک آواز نہ پہنچی تو آپ-ﷺ-واپس لوٹنے لگے کہ پیچھے سے سعد آپ تک پہنچ گئے اور کہا: اللہ کی قسم جب بھی آپ نے سلام کیا میں نے سنا اور جی ہی جی میں جواب دیا،لیکن میری چاہت تھی کہ آپ کا زیادہ سے زیادہ سلام مجھے پہنچے (اس لئے اونچی آواز میں جواب نہ دیا) تب آپ-ﷺ-نے فرمایا: **السلام عليكم أهل البيت ورحمته، انه حميد مجيد.**[١٥]۔

٤- خواتین کو سلام کرنا:

سنن ترمذی،سنن ابوداود،سنن ابن ماجہ اور امام بخاری کی الادب المفرد میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ-ﷺ-عورتوں کی جماعت کے پاس سے گذرے جو کہ راستے کے کنارے پر موجود تھیں آپ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:**السلام عليكن ورحمة الله وبركاته** اورسلام کے لئے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا-[١٦]۔

یہ آپ-ﷺ-کا حسن اخلاق ہے کیونکہ آپ مرد وعورتوں سب کے لئے رسول تھے۔

بعض اہل علم نے کہا: جب کوئی رکاوٹ نہ ہو اور نہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، جیسے کہ بوڑھی عورتیں۔ ایسی حالت میں چاہئے کہ آپ انہیں سلام کریں، کچھ دیر ان کے ساتھ رہیں، ان کا حال چال دریافت کریں جیسے کہ صحابہ کرام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سہل بن سعد -رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ صحابہ کرام جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر ایک بوڑھی خاتون کے پاس آتے تھے جو ان کے راستے میں رہتی تھی اسے سلام کرتے۔[۱۷]۔

بوڑھے عمر رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ رحمت و لطافت کا یہ سلوک خوش آئند بات ہے، بلکہ اسلام نے خود اس کی بڑی ترغیب دی ہے، بہت سے دلائل اس بارے میں ہیں امام ابن قیمؒ نے [زاد المعاد ۲/۴۱۲] میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

سلام کے آداب:

۱-صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے یہ حدیث ثابت ہے کہ چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل چلنے والے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں گے۔[۱۸]۔

☆**چھوٹا بڑے کو سلام کرے**: آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا یہ فرمان کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے یہ حکم کسی حکمت کے تحت ہے؛ کہ بڑا عزت وتوقیر کے لائق ہوتا ہے اس لئے چھوٹا سلام کرنے میں پہل کرے۔ اس لئے جب آپ اپنے سے عمر میں بڑے کسی آدمی سے ملاقات کریں تو آپ پر واجب ہے کہ سلام میں پہل کریں تاکہ آپ اسے یہ احساس دلاسکیں کہ بڑا ہونے کی وجہ سے

آپ اسکی عزت واحترام کرتے ہیں، اگر سلام میں وہ پہل کرے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ آپ سے افضل ہے۔

چنانچہ کم عمر بڑی عمر والے کوسلام کرنے میں پہل کرے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے عالم، بڑے شیخ، جن کا مقام ومرتبہ ہے اور جن کی اسلام کے حوالہ سے بڑی قدر ومنزلت ہے ان کوسلام کرنے میں پہل کی جائے گی۔

☆ **راہ گذر بیٹھے ہوئے کو سلام کرے**: البتہ آپ-ﷺ-کا یہ فرمان کہ: ''راہ گذر بیٹھے ہوئے کوسلام کرے''۔تو چلنے والے پر واجب ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے کوسلام کرے، ایسا صحیح نہیں جیسے بعض لوگ ہمیشہ اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو پہلے سلام کرے چاہے وہ سوار ہو، راہ گذر ہو، یا بیٹھا ہو۔ یہ غلط ہے اور اس طرز عمل میں تکبر کی بو آتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس بارے میں سنت کی جانکاری حاصل کریں اور اس کی پابندی کریں جیسا کہ رسول اللہ -ﷺ- کا فرمان ابھی ذکر ہوا کہ: ''چلنے والا، راہ گذر بیٹھے ہوئے آدمی کوسلام کرنے میں پہل کرے''، اس لئے کہ بیٹھے ہوئے تو پہلے سے بیٹھے ہیں آنے والا باہر سے آتا ہے اور غالب اوقات میں وہ اکیلا ہوتا ہے اور بیٹھے ہوئے کئی ہوتے ہیں۔

☆ **سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے**: آپ-ﷺ-کا فرمان کہ ''سوار پیدل کوسلام کرے''، تو سوار پیدل چلنے والے کوسلام کرے اور سلام کرنے میں پہل کرے۔ مثلا: گاڑی میں یا کسی اور سواری پر سوار آدمی پیدل چلنے والے کوسلام کرے۔ بعض شارحین احادیث

نے اس میں بڑے نکتے کی بات کی ہے-فتح الباری میں ہے کہ (عموماً گاڑی میں ہو یا کسی اور سواری پر) سوار آدمی میں ایک قسم کے بڑے پن کا شعور ہوتا ہے، اب اس پر ضروری قرار دیا گیا کہ وہ چلنے والے کو سلام کرے، تا کہ اس میں تواضع وانکساری پیدا ہو کہیں کبر وغرور اس کے دل میں جگہ نہ بنالے)۔

☆ **کم تعداد بڑی تعداد والوں کو سلام کریے:** آپ-ﷺ-کا فرمان: ''چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے''، یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی فرد کسی جماعت کے پاس سے گذرے اس پر واجب ہے کہ وہ سلام کرنے میں پہل کرے۔ پانچ آدمیوں کی جماعت کا گذر دس آدمیوں کی جماعت کے قریب سے ہوتو پانچ آدمی دس والوں کو سلام کریں، ایسا نہیں کہ دس والے پانچ والوں کو سلام کریں۔ **''گذرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک بھی سلام کرلے تو وہ ساری جماعت کی طرف سے کافی ہوگا، اسی طرح بیٹھی ہوئی جماعت میں سے کوئی ایک بھی جواب دے تو وہ پوری جماعت کی طرف سے کافی ہوگا''**۔ جیسا کہ سنن ابوداود میں (اس معنی کی حدیث) وارد ہے اور موطا امام مالک میں ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔[۱۹]۔

اور سنن ترمذی میں ہے کہ آپ-ﷺ-نے فرمایا: ''چلنے والا آدمی کھڑے آدمی کو سلام کرے''۔

یہ ہیں آپ-ﷺ-کے بتائے ہوئے آداب، اور یہ ہیں آپ کی سکھائی ہوئی تعلیمات اور حکمتیں ولطائف ونکتے، چنانچہ جو بھی بھلائی کی بات تھی آپ-ﷺ-نے اس سے ہمیں باخبر کردیا، اس کو کرنے کی ترغیب دی اور جو بھی برائی تھی اس سے ڈرایا۔

۲- سلام میں پہل کرنے کی فضیلت:

صحیح ابن حبان اور مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(**لِيُسَلِّمِ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي ، وَالمَاشِي علَى القَاعِد، وَالمَاشِيانِ أيُّهُمَا بَدَأَ فَهُوَ أَفْضَل**).[۲۰]۔

''چاہئے کہ سوار پیدل آدمی کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور چلنے والے دو آدمیوں کا جب آمنا سامنا ہو دونوں میں جو پہل کرے وہ زیادہ فضیلت والا ہے''۔ نیز مسند احمد اور سنن ابوداود میں ہے کہ آپ -ﷺ- نے فرمایا: (**اِنَّ أَولَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَن بَدَأهُمْ بِالسَّلاَم**).[۲۱]۔

''اللہ کا سب سے زیادہ قریبی وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب اور بڑے مرتبے والا وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔

یہی عادت مبارکہ صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- وتابعین عظام رحمہم اللہ کی تھی کہ وہ دوسروں کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔

آپ -ﷺ- سے یہ بھی ثابت ہے کہ: ''سلام سوال سے پہلے ہے اس لئے جو شخص سلام سے پہلے تم سے کوئی سوال کرے، اس کے سوال کا تم جواب نہ دو''۔[۲۲]۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی سلام سے پہلے کوئی بات کرے اور نہ کوئی چیز پوچھے، پھر جب سلام کر لے تو اپنے سوال اور ضرورت کی بات کرے۔

سنن ترمذی، سنن ابوداود اور مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کَلدَہ بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے انہیں دودھ، پیوسی، ہرن کا بچہ، چھوٹی ککڑی دے کر نبی -ﷺ- کی خدمت میں بھیجا، اس وقت آپ وادی کے اعلیٰ جانب تھے، میں جا کر گھس گیا، سلام کیا نہ اجازت طلب کی، آپ -ﷺ- نے فرمایا: ''لوٹ جاؤ، پھر کہو **السلام علیکم**، کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟؟''۔[۲۳]۔

ان پڑھ امت......ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبلُ لَفِي ضَلَلٍ مُبِين**﴾-[الجمعة ۲]۔

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔ اس امت میں اللہ نے اس رسول کو بھیجا تاکہ وہ ان کا تزکیہ کریں، ان کے دین کی باتیں انہیں سمجھائیں، اچھے آداب اور بلند اخلاق کی تعلیم دیں۔

اوپر مذکورہ کلدہ کی حدیث میں شاہد یہ ہے کہ: سلام داخلے، بات چیت یہاں تک کہ ہر چیز سے پہلے ہونا چاہئے۔

عبداللہ بن بسر -رضی اللہ عنہ- کی روایت میں ہے، کہ آپ -ﷺ- جب کسی کے گھر تشریف لاتے تو دروازہ کے بالکل سامنے کھڑے ہوکر دستک نہ دیتے، بلکہ اس کے دائیں یا بائیں جانب ہوکر

کہتے: **السلام علیکم، السلام علیکم**-[۲٤]-
آپ-ﷺ-کا طریقہ مبارکہ تھا کہ جس سے آپ کی ملاقات ہوتی آپ خود پہل کر کے اسے سلام کرتے، اس طرح کرنے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے، برخلاف ان متکبرین اور گھمنڈیوں کے جنہیں انتظار رہتا ہے کہ کوئی ان کو سلام کرے۔
سلام کی ابتداء ان الفاظ میں ہونا چاہئے: **السلام علیکم و رحمة الله وبرکاته، جواب** دینے والا کہے گا: **وعلیکم السلام** یعنی 'و' کے اضافہ کے ساتھ، امام نووی اور ابن قیم رحمہما اللہ نے اس کو ثابت کیا ہے۔ یہ '**علیکم السلام**' سے بہت اچھا ہے۔
سلام کرنے والے کا ابتداءً '**علیك السلام**' کہنا مکروہ ہے۔ چنانچہ سنن ابوداود، سنن ترمذی، اور مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے جسمیں حضرت اُبوجري الهُجيمي -رضی اللہ عنہ- کہتے ہیں: میں نبی -ﷺ- کے پاس آیا اور کہا: '**علیك السلام یارسول الله**' تو آپ نے فرمایا: (**لاَ تَقُلْ عَلَيکَ السَّلاَم ، فَإِنَّ عَلَيکَ السَّلاَم تَحِيَّةُ الْمَوتٰى**). [۲٥]-
''**علیك السلام**' نہ کہو، کیوں کہ '**علیك السلام**' کہہ کر مُردوں کو سلام کیا جاتا ہے''۔
اس لئے ہم پر لازم ہے کہ **علیك السلام** کہنے سے پرہیز کریں، کیونکہ وہ اپنے مُردوں کو اسی طرح سلام کیا کرتے تھے، جیسے کسی شاعر کا گذر قیس بن عاصم کے قبر سے ہوا تو اس نے کہا ؎

عَلَيكَ سَلامُ اللّٰهِ قَيسَ بنَ عاصمٍ وَرَحمتُهُ مَا شَاءَ أَنْ يَتَرَحَّمَا

اے قیس بن عاصم آپ پر اللہ کی سلامتی ہو اور اس کی رحمت ہو جس قدر وہ چاہے

یہاں شاعر نے جار مجرور یعنی لفظ 'علیک' سے سلام کی ابتداء کی کیونکہ وہ مردے سے سلام کر رہا تھا اس لئے آپ-ﷺ- نے ناپسند کیا کہ آپ کو مردوں جیسا سلام کیا جائے۔اسی ناپسندیدگی کی وجہ سے آپ نے سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔[دیکھئے زاد المعاد ۲/۴۲۰۔۴۲۱]۔

۳- مجلسوں میں سلام کے آداب:

سنن ابوداود، سنن ترمذی، مسند احمد، امام بخاری کی الادب المفرد، مسند حمیدی اور صحیح ابن حبان میں حسن سند سے مروی ہے کہ نبی-ﷺ- نے فرمایا: **(اِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ اِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَاِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّم فَلَيسَتِ الأولٰى بِأَحَقِّ مِنَ الآخرة)**.[۲۶]۔

''جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے، جب اس مجلس سے اُٹھ کر جائے تو سلام کرے، کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ ضروری نہیں ہے''۔

معنی یہ ہے کہ جب آپ اپنے بھائیوں، ساتھیوں سے رخصتی لیں تو اس مجلس سے جاتے وقت کہیں کہ **السلام عليكم ورحمة الله وبركاته**۔اس سنت سے بہت سے مسلمان غافل ہیں، اب تو حال یہ ہو چکا ہے کہ '**فِي اَمَانِ اللّٰهِ**'، '**أَسْتَودِعُكُمُ الله**' تو بہت سارے لوگ کہتے ہیں اور اس عظیم سنت کو چھوڑ دیتے ہیں، جس پر رسول اللہ-ﷺ- کا حکم موجود ہے۔

سنن ابی داود میں ایک حدیث مروی ہے کہ اللہ کے رسول-ﷺ- نے فرمایا: **(اِذَا لَقِيَ اَحَدُكُمْ صَاحِبَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيهِ، فَاِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ، ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيهِ اَيْضًا)**.

'جب تم میں سے کوئی کسی سے ملاقات کرے تو اسے سلام کر لے، دونوں کے درمیان درخت یا

دیوار آڑے آجائے پھر اس کے بعد دوبارہ ملاقات ہو تو بھی سلام کرلے''۔ یہ حدیث دوسندوں سے مروی ہے ایک سند مرفوع اور صحیح ہے اور دوسری موقوف اور ضعیف ہے۔[۲۷]۔

معجم طبرانی اوسط، ابن السنی اور امام بخاری کی الادب المفرد میں صحابہ کرام کا عمل بھی ایسا ہی مروی ہے۔ چنانچہ حضرت انس -رضی اللہ عنہ- کہتے ہیں، رسول اللہ -ﷺ- کے صحابہ اکٹھے چل رہے ہوتے جب کوئی درخت یا شاخ آڑے آجاتی اور وہ دائیں بائیں بٹ جاتے پھر ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کہتے۔ اس کی سند حسن ہے۔[۲۸]۔

کسی مجلس میں آنے جانے والے کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا چنانچہ جب بھی وہ مجلس میں داخل ہو یا نکلے تو سلام کرے، یہ نیک کام ہے کرنے والے کو ثواب ملے گا۔

٤- مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کے آداب:

امام ابن قیمؒ نے کہا: آپ -ﷺ- کے طریقہ میں سے یہ بھی ایک ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا پہلے تحیۃ المسجد پڑھے، پھر نمازیوں کو سلام کرے۔[زاد المعاد ۲/۴۱۳]۔ ابن قیمؒ نے رفاعہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے کہ انہوں نے ایک صحابی کا ذکر کیا جو نماز کی ادائیگی میں غلطی کررہا تھا، چنانچہ اس نے نماز پڑھی پھر آکر اللہ کے رسول -ﷺ- کو سلام کیا، آپ -ﷺ- نے سلام کا جواب دے کر کہا، واپس جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔[۲۹]۔

یہ تو انکی اپنی رائے ہے، لیکن اس بارے میں کوئی دلیل نہیں کہ آدمی داخل ہوتے ہی پہلے سلام نہ کرے، جہاں تک اس صحابی کی بات ہے تو ممکن ہے کہ انہوں نے دور ہی مسجد کے ایک کنارے

پہلے نماز پڑھ لی ہو پھر آ کر سلام کیا ہو۔اس لئے زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی پہلے اپنے بھائیوں کوسلام کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔

جب کوئی مسلمان سلام کرے ایسے وقت کہ آپ نماز میں ہوں چاہے وہ نفل ہو یا فرض،تو جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے سنت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھ کے اشارے سے اُسے جواب دیں وہ اس طرح کہ ہاتھ کا اندرونی حصہ زمین کی طرف اوپری حصہ اپنے چہرے کی طرف ہو۔ نماز کی حالت میں 'وَعَلَيكُم السَّلاَم 'نہیں کہنا چاہئے۔بعض اہل علم نے کہا: کہ صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کریں،لیکن اہل علم کے ہاں ہتھیلی اٹھانے والی بات ہی زیادہ بہتر ہےاور راجح قول بھی یہی ہے۔

۵- گھر والوں کو سلام کرنے کے آداب:

جب آپ -ﷺ- رات کے وقت گھر میں تشریف لے جاتے تو اتنی آواز میں سلام کرتے کہ سونے والا جاگ نہ جائے اور جاگنے والا سن لے۔[۳۰]- چنانچہ کسی انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ گھر میں داخل ہو اور اس طرح ہنگامہ کرے کہ سوئے ہوئے لوگ جاگ جائیں،آپ -ﷺ- کی اس عادت مبارکہ پر ذرا غور کریں کہ آپ کس قدر نرم خو اور لطیف تھے۔

البتہ یہ حدیث (اَلسَّلاَمُ قَبْلَ الْكَلاَمِ) کہ ''بات سے پہلے سلام کرو''، یہ حدیث ثابت نہیں ہے، آپ -ﷺ- کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ چنانچہ یہ حدیث سنن ترمذی[۳۱] میں حضرت جابر -رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے لیکن اس کی سند میں عنبسہ بن عبدالرحمٰن ہے جو متروک (یعنی جسکی

حدیث کوچھوڑ دیا گیا ہے) ہے،اُبوحاتم نے ان کو(وضاع) حدیثیں گھڑنے والا بتایا،یعنی جھوٹا۔
یہ بھی معلوم ہو کہ عنبسہ کا استاد محمد بن زاذان بھی متروک ہے،اس لئے حدیث ثابت نہیں ہوتی۔
[دیکھئے زاد المعاد ٢/٤١٤، ٤١٥]۔[☆]

٦- اهل کتاب کو سلام کرنے کا حکم:

آپ-ﷺ-اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کوسلام کرنے میں پہل نہ کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم، سنن ابوداود اور سنن ترمذی میں یہ صحیح حدیث ہے کہ آپ-ﷺ-نے فرمایا:(**لاَ تَبْدَءُ وا الْيَهُودَ وَالنَّصَارىٰ بِالسَّلام**).[٣٢]۔''یہود ونصاریٰ کوسلام کرنے میں پہل نہ کرو''۔
اس لئے سنت یہ ہے کہ جولوگ یہود ونصاریٰ کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، وہ انکوسلام کرنے میں پہل نہ کریں،لیکن جب وہ سلام کریں تو مسلمان صرف'**وعليكم**' کہیں۔
صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں ہے کہ ایک موقعہ پر آپ-ﷺ-کا گذر ایک ایسی مجلس سے ہوا جس میں مسلمان،مشرکین، بت پرست اور یہود موجود تھے تو آپ نے انہیں سلام کیا۔[٣٣]۔
اس لئے آپ بھی اگر ایسی مجلس سے گذریں کہ اس میں یہود ونصاریٰ اور مسلمان ہوں (یادرہے کہ اس مجلس میں مسلمان کا ہونا شرط ہے) تو انہیں شرعی سلام کریں۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ-ﷺ- نے ہرقل اور دوسرے سربراہوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے جو خط لکھا ان میں سلام کے یہ الفاظ تھے:**اَلسَّلامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدى**.
[٣٤]۔''جو ہدایت کی پیروی کرے اس کوسلام ہو''۔قرآن میں خود یہ چیز موسیٰ علیہ السلام اور

فرعون کے واقعہ میں موجود ہے، ﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰیٰ﴾ [طٰہٰ: ٤٧]۔
اس لئے جب آپ اہل کتاب کو سلام کریں یا انہیں خط لکھیں تو "**السلام علی من اتبع الهدیٰ**" کہیں، لیکن (عام حالات میں) سلام کرنے میں پہل نہ کریں۔

۷- نافرمان کو توبہ کرنے تک سلام نہ کریں:

آپ-ﷺ- کا یہ طریقہ مبارکہ تھا کہ اگر کوئی نافرمانی کا ارتکاب کرتا تو اس کو سلام نہ کرتے اور نہ ہی اس کے سلام کا جواب دیتے، جیسے کعب بن مالک اور ان کے دوساتھیوں کے ساتھ آپ نے کیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداود میں ہے کہ آپ ان کو سلام نہ کرتے تھے۔ بلکہ کعب بن مالک کا بیان ہے: میں رسول اللہ-ﷺ- کو سلام کیا کرتا تھا لیکن آپ نے جواب دیا یا نہیں، آپ کے ہونٹوں نے حرکت کی یا نہیں مجھے پتہ نہ چلتا؟[٣٥]۔

اسی طرح بدعتی جس کا بدعتی ہونا معروف ہو، یا جس نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرلی ہو تو اس کے بارے میں آپ کو چاہئے کہ اس سے قطع تعلق کرلیں، اسے سلام نہ کریں اور اس کے سلام کا جواب نہ دیں یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے۔ لیکن پہلے اسے نصیحت کریں، اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، اور بدعت چھوڑنے کی ترغیب دیں۔

اسی طرح بلا عذر با جماعت نماز چھوڑنے والا، حالانکہ مسجد اس کے پڑوس میں ہے، وہ خود بھی صحت و عافیت میں ہے پھر بھی جماعت چھوڑتا ہے تو جب تک وہ با جماعت نماز کا اہتمام نہیں کرتا تب تک اس کو سلام نہ کریں نہ اس کے سلام کا جواب دیں۔

ابوایوب انصاری -رضی اللہ عنہ- کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا: (**لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أنْ يَهْجُرَ أخَاهُ فَوقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيانِ فَيُعرِضُ هٰذا وَيُعرِضُ هٰذا وَ خَيرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلام**). [٣٦]۔

''کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بات کرنا چھوڑ دے، صورت حال یہ ہو کہ دونوں آپس میں ملتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے منہ موڑتا جاتا ہے، ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے''۔

یہ حکم دنیوی معاملات کے حوالہ سے ہے کہ اس معاملہ میں جو غصہ ہو وہ تین دن میں ختم ہو جانا چاہئے، تین دن کے بعد بات چھوڑے رکھنا حرام ہوگا، البتہ دین کے معاملہ میں تین دن کی قید نہیں، جب تک وہ توبہ نہ کرلے، اور اپنی بدعت سے بھی توبہ نہ کرلے۔[☆]

دوسرا ادب: قبولیت دعوت

۱- مسلمان کی دعوت قبول کرنے کا حکم:

محبت کے راہوں سے متعلق آپ کا فرمان ہے: (وَاِذَا دَعَاکَ فَأَجِبه). [صحیح مسلم۲۱۶۲]

''جب تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو''۔

بعض دعوتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا قبول کرنا واجب ہوتا ہے، بعض سنت اور بعض دعوتوں کو قبول کرنا حرام ہوتا ہے۔

وہ دعوتیں جن کا قبول کرنا واجب ہے: شادی کی دعوت (اگر وہاں کوئی منکر بات نہ پائی جاتی ہو)۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمر-رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا: (اِذَا دُعِیَ أَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیمَةِ فَلْیَأتِهَا). [۳۷]۔

''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے چاہئے کہ وہاں حاضر ہو''۔

اس حدیث میں ولیمہ سے مراد شادی کی دعوت ولیمہ ہے، کیونکہ لغت کی کتابوں میں اسی کو ولیمہ کہا جاتا ہے۔ مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلم بھائی کو دعوت دے تو وہ اسے قبول کرلے، چاہے وہ شادی کی دعوت ہو یا اس جیسی کوئی اور دعوت۔

اہل علم نے کہا: مذکوہ احادیث میں امر وجوب کو بیان کررہا ہے، یعنی شرعی طور پر آپ پر واجب ہے کہ ان دعوتوں کو قبول کریں۔ جب تک کہ وہاں خلاف شریعت حرام کام نہ ہوتا ہو۔

۲- دعوت کے آداب:

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ-رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا:

(شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَاتِيهَا وَ يُدعَى اِلَيهَا مَنْ يَأْبَاهَا وَمَن لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ) .[۳۸]۔

''سب سے برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں (ضرورت مند) خود آئے تو روک دیا جائے اور جو انکار کرے اسے بلایا جائے اور جس نے دعوت قبول نہیں کی اس نے اللہ اور اس کے رسول -ﷺ- کی نافرمانی کی''۔

اس لئے دکھاوے اور شہرت کی خاطر کئے جانے والے ولیمے سب سے برے ہیں، جن میں قوم کے بڑے لوگوں کو تو بلایا جائے اور کمزور و ناداروں کو روکا جائے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ:(اِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ اِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ، فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ).[۳۹]۔

''جب کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو قبول کرلے چاہے تو کھالے، نہ چاہے تو چھوڑ دے''۔

خلاصہ یہ کہ آپ دعوت قبول کریں، حاضر ہوں گرچہ کھانا مقصود نہ ہو۔ کیونکہ آج کل بعض لوگ جب انہیں ولیمہ کی دعوت دی جائے تو کہتے ہیں: مجھ سے نہیں ہوسکتا ہو کیونکہ میں کھانا کھاچکا ہوں، یا کہتے ہیں: میں کھانا نہیں چاہتا، یہ غلط ہے، آپ کا کھانا اصل مقصود نہیں ہے، آپ حاضر ہوں، اور گھر والوں کے لئے دعا کریں، ان سے بات کریں، انکی دلجمعی کریں۔ چنانچہ بہت سے سلف صالحین جو روزہ رکھنے کے باوجود شریک دعوت ہوتے تھے، ان کا حسن اخلاق تھا کہ وہ دعوت دینے والوں کو دعا دیتے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اکرم -ﷺ- نے فرمایا: ''پہلے دن کا ولیمہ حق ہے، دوسرے دن کا سنت ہے، تیسرے دن کا شہرت کے لئے ہے۔ جس نے شہرت کے لئے کوئی کام کیا اللہ اسے اس ریا کاری کی سزا دے گا''۔[٤٠]۔ جبکہ بخاری نے اپنے صحیح میں کہا: نبی -ﷺ- نے ولیمہ کے لئے ایک دن یا دو دن کا وقت متعین نہیں کیا۔[٤١]۔

اس لئے کوئی انسان اگر ایک دن، یا دو، یا تین دن سے زیادہ ولیمہ کرے تب بھی صحیح ہے البتہ سنت کے قریب جو بات ہے وہ ایک ہی دن کی ہے، اور ایک ہی ولیمہ ہے۔

اصل مقصود دعوت قبول کرنا ہے اگر وہاں کوئی خلاف شرع کام نہ ہو رہا ہو۔

پہلے والے کی دعوت قبول کرنا:

ایک ہی دن یا مختلف دنوں میں ایک سے زیادہ آدمی دعوت دیں تو جو پہلے دعوت دے اسی کی دعوت قبول کریں، دوسرے کے ساتھ معذرت کریں، اور صراحت کے ساتھ کہہ دیں کہ فلاں آپ سے پہلے دعوت دے چکا ہے۔ اگر کئی آدمی بیک وقت دعوت دیں، تو جو ان میں زیادہ قریب ہے اس کی دعوت قبول کرلیں، اگر پڑوسی اور رشتہ دار دونوں بیک وقت دعوت دیں تو رشتہ دار کی دعوت قبولیت کا زیادہ حق رکھتی ہے۔

جس دعوت میں کوئی خلاف شرع کام ہو رہا ہو تو اس میں شریک نہ ہوں، اور یہ بات گذر چکی ہے۔ البتہ وہ آدمی جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ شریک ہو کر منکر سے منع کر سکے گا، یا اسے روک سکے گا تو ایسے آدمی کو جانا چاہئے۔

تیسرا ادب: خیر خواهی کرنا

۱- نصیحت واجب هے:

حدیث میں آپ-ﷺ-کا فرمان ہے کہ:(وَاِذَا اسْتَنْصَحَکَ فَانْصَحْ لَهُ).

''جب تم سے کوئی نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کرو''۔

یہ تیسرا ادب ہے جو آپ نے واضح کیا، اور وہ محبت کی بڑی نشانی اور ہم سب پر ایک دوسرے کا شرعی واجب ہے۔

اہل علم کے ہاں خیر خواہی اور نصیحت کرنا واجب ہے۔صحیح مسلم میں ہے کہ نبی-ﷺ-نے فرمایا:

(الدِّينُ النَّصِيحةُ، قُلْنَا: لِمَن؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِم).[٤٢]۔

''دین نصیحت وخیر وخواہی کا نام ہے،ہم نے کہا:کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا:اللہ کے لئے،اس کی کتاب کے لئے،اس کے رسول کے لئے،مسلمانوں کے امام(حکمران)اور عام مسلمانوں کے لئے''۔

نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ-ﷺ-نے امت کی خیر خواہی کرتے ہوئے فرمایا:

(أُنْصُرْ أَخَاکَ ظَالِمًا أَو مَظْلُومًا)، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰه! نَنْصُرُهُ مَظْلُومًا، فَكَيفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا، قَالَ: (تَرُدُّهُ عَنِ البَاطِلِ فَإِنَّ ذٰلِکَ نَصْرُه).[٤٣]۔

''آپ کا بھائی ظالم ہو یا مظلوم ہر صورت میں اس کی مدد کریں''۔ہم نے کہا:اے اللہ کے رسول ہم اسکے مظلوم ہونے کی صورت میں تو مدد کرتے ہی ہیں،اس کے ظالم ہونے کی صورت میں

کیسے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا: ''اس کو باطل (ظلم کرنے) سے روکو یہی اس کی مدد کرنا ہوگی''۔
اس لئے ہم پر واجب ہے کہ باہم ایک دوسرے کو نصیحت کریں، انسان غلطی اور بھول چوک سے محفوظ نہیں، ہمارے بہت سے تصرفات میں غلطی ہوجاتی ہے معصوم تو فقط رسول علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ اس لئے ہر مسلمان بھائی کی ذمہ داری ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کو دیکھے کہ وہ کسی مسئلہ میں، اجتہاد میں، یا اپنے اسلوب یا کسی کام میں غلطی کر رہا ہے تو اس کے پاس جائے اسے سمجھائے اور خیر خواہی کرنے والا دوسری طرف سے محبت، دعا، خوشی اور اچھا استقبال ہی پائے گا۔ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مومن آپس میں خیر خواہ اور منافقین دھوکے باز ہوتے ہیں۔
چنانچہ جب تم دیکھو کہ کوئی انسان بھری محفل میں اپنے بھائی کے عیب بیان کر رہا ہے، اس پر تنقید کر رہا ہے اس کی عزت پر حملہ آور ہو رہا ہے اور سامنے خیر خواہی کی بات نہیں کرتا تو یقین جانو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی دھوکے کی کوشش کرتا ہے اور اہل ایمان کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔
مومن کی نشانی ہے کہ جب وہ اپنے بھائی کی اصلاح کرنا چاہے تو وہ اس کی طرف چل کر جائے، تنہائی میں اس سے ملے، اس کو نصیحت کرے، اچھائی کی طرف اس کی رہنمائی کرے، شفقت، مہربانی اور نرمی اختیار کرے اگر واقعتاً وہ اس کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ ہاں اگر وہ اپنے بھائی کو چار لوگوں میں ننگا کرنا چاہتا ہے تو پھر اللہ ہی اس سے نمٹے اور وہ خوب حساب کرنا جانتا ہے اور اللہ اس کو اس کے ارادے کے مطابق بدلہ دے گا۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں انبیاء کے طریق دعوت کو بیان فرمایا ہے کہ ان کی دعوت سراسر

خیرخواہی اور نصیحت پر قائم تھی۔ چنانچہ حضرت نوح -علیہ السلام- اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ﴾۔ [الأعراف: ٦٢]۔

''تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں''۔

ایک اور جگہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہیں:

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ﴾۔ [هود: ٣٤]۔

''تمہیں میری خیرخواہی کچھ نفع نہیں دے سکتی گو میں کتنی ہی تمہاری خیرخواہی کیوں نہ چاہوں''۔

یہ اللہ کے نبی حضرت صالح -علیہ السلام- ہیں، جو اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

﴿يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَ نَصَحْتُ لَكُمْ﴾۔ [الأعراف: ٧٩]۔

''اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی''۔

حضرت شعیب -علیہ السلام- نے کہا:

﴿يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَ نَصَحْتُ لَكُمْ﴾۔ [الأعراف: ٩٣]۔

''اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی''۔

یہ ہیں اللہ کے انبیاء کرام اور اسکے محبوب بندے، اب جو جس قوم کی جیسی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا۔

۲- نصیحت کے آداب:

نصیحت کرنے کے تین آداب ہیں: پہلا: اخلاص، دوسرا: نرمی، تیسرا: راز داری

اکثر اوقات بندہ غلطی کر جاتا ہے، ویسے بھی ہم معصوم عن الخطا نہیں ہیں، میں یہ بات اس لئے بار

بار کہہ رہا ہوں کہ خیرخواہی کرنے والا جان لے کہ بھول چوک انسان کی جبلت میں داخل ہے، نصیحت کرتے وقت سختی کا پہلو غالب نہ ہو۔شاعر کہتا ہے ؎

مَنْ ذَالَّذِی مَا سَاءَ قَطُّ   وَمَنْ لَهُ الْحُسْنٰی فَقَط

کون ہے جو کبھی غلطی نہیں کرتا   کون ہے وہ جس کی صرف نیکیاں ہوں

ایک اور شاعر کا قول: ؎

تُرِیدُ مُهَذَّباً لَا عَیبَ فِیهِ   وَهَلْ عُودٌ یَفُوحُ بِلَا دُخَان

ایسا مہذب آدمی چاہتے ہو جس میں کوئی عیب نہ ہو   کیا ایسا بھی کوئی عود وعنبر ہے جو بغیر دھواں کے خوشبو مہکائے

راز داری کے ساتھ نصیحت کرنا آپ -ﷺ- کا طریقہ ہے، کیونکہ بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے نصیحت کرنا تو ذلیل کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا: ؎

تَغَمَّدْنِی بِنُصْحِكَ فِی انْفِرَادِ   وَجَنِّبْنِی النَّصِیحةَ فِی الْجَمَاعَه

تم مجھے اکیلے میں اپنی نصیحت سے نوازو   تم بھرے مجمع میں نصیحت کرنے سے پرہیز کرو

فَاِنَّ النُّصحَ بَینَ النَّاسِ نَوعٌ   مِنَ التَّوبِیخِ لَا أرْضَی اسْتِمَاعَه

لوگوں کے درمیان بٹھا کر نصیحت، ایک قسم ہے   ملامت و سرزنش کی جو میں سننا نہیں چاہتا

فَاِنْ خَالَفْتَنِی وَ عَصَیتَ أمرِی   فَلَا تَجْزَعْ اِذَا لَمْ تَلْقَ طَاعَه

اگر تم نے مرے اس قاعدہ کے خلاف کیا اور میری نافرمانی کی، تو اگر میں نے تمہاری بات نہ مانی تو برا نہ منانا

حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- کہا کرتے تھے: اللہ اس بندے پر رحم کرے، جو مجھے میرے عیوب بتاتا ہے، صحابہ کرام جب انہیں نصیحت کرتے تو وہ غور سے سنا کرتے تھے۔

چوتھا ادب: چھینک کا جواب دینا

١- چھینکنے والے کا جواب کب دیا جائے، اور کس طرح دیا جائے؟

حدیث میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے:(وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْه).

''جب وہ چھینکے پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہے تو تم اس کا جواب دو''۔

نیز آپ-ﷺ-کا فرمان ہے:(اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤب).

''بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے، جمائی کو ناپسند کرتا ہے''۔[٤٤]۔

چھینک اللہ کی رحمت ہے، جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، اس لئے کہ چھینک سے دل کے خونی رگیں کھل جاتے ہیں، انشراح صدر ہوتا ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے، اس میں کیا راز ہے اللہ ہی بہتر جانے؟ البتہ آپ پر ضروری ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہیں۔

البتہ جمائی، اسے جتنا روک سکیں اسے روکیں۔

صحیح بخاری اور مسند احمد میں ہے کہ آپ-ﷺ-نے فرمایا:(اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُل الْحَمْدُ لِلّٰه، وَلْيَقُلْ لَهُ اَخُوهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰه، فَاِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهَ فَلْيَقُلْ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهَ وَيُصْلِحُ بَالَكُم).

''جب تم میں سے کوئی چھینکے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہے، اور اس کا بھائی يَرْحَمُكَ اللّٰه کہے، پھر جب وہ يَرْحَمُكَ اللّٰه کہے تو چھینکنے والا "يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُم" کہے۔[٤٥]۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت انس-رضی اللہ عنہ-سے مروی

ہے: کہ آپ -ﷺ- کی موجودگی میں دو آدمیوں نے چھینکا، آپ -ﷺ- نے ایک کے چھینک کا جواب دیا، اور دوسرے کی چھینک کا جواب نہیں دیا۔ جس کا جواب نہیں دیا اس نے پوچھا کہ فلاں کی چھنیک کا آپ نے جواب دیا، میں نے بھی چھینکا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا؟ آپ -ﷺ- نے فرمایا: (هٰـذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَاَنْتَ لَمْ تَحْمَدِ اللّٰه). ''اس نے الحمد للہ کہا (اس لئے میں نے جواب دیا)، تم نے الحمد للہ نہیں کہا (اس لئے میں نے جواب نہیں دیا)''۔[٤٦]۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں ابوموسیٰ اشعری -رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا:

(اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوهُ، فَاِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ فَلا تُشَمِّتُوهُ).

''جب تم میں سے کوئی چھینکے پھر **الحمد لله** کہے تو اس کا جواب (**يرحمك الله** سے) دو، اگر **الحمد لله** نہ کہے تو جواب نہ دو۔[٤٧]۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی چھینک کر الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہہ کر اس کا جواب دینا ہم پر واجب ہے، اگر وہ خاموش رہے اور الحمد للہ نہ کہے تو یرحمک اللہ کہہ کر جواب دینے کی ذمہ داری آپ کی نہیں، آپ بھی چپ رہیں۔

۲- چھینک کا جواب دینا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

مالکیہ میں سے ابن أبي زید، ابن العربی کی رائے ہے کہ چھینک کا جواب دینا فرض عین ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ مثال کے طور پر: مجلس میں کسی چھینکے والے کو الحمد للہ کہتے سنیں تو سارے ہی لوگ یرحمک اللہ کہیں، ایسا نہیں کہ اگر کوئی ایک کہہ دے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے گا اس لئے کہ یہ فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں۔

چھینک کے بارے میں آپ-ﷺ-کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جب آپ چھینکتے تو اپنا ہاتھ یا کپڑا اپنے منہ پر رکھ لیتے، اور اپنی آواز کو پست کرتے۔ جیسا کہ سنن ابوداود، سنن ترمذی اور ابن سنی میں حسن سند سے مروی ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح فرمایا ہے۔[٤٨]۔اس لئے سنت کا طریقہ یہ ہے کہ چھینک میں مسلمان اپنی آواز بلند نہ کرے۔

اس سلسلہ میں دو ضعیف حدیثیں بیان کی جاتی ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

پہلی حدیث:(**التَّثَاؤُبُ الشَّدِيدُ وَالْعَطسَةُ الشَّدِيدَةُ مِنَ الشَّيطان**). ''ہا..ہا..کر کے بڑی جمائی لینا، اونچی، تیز قسم کی چھینک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے''۔

اس حدیث کو ابن السنی نے روایت کیا، یہ ضعیف ہے، رسول اللہ-ﷺ- سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ [٤٩]

دوسری حدیث:(**اِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ رَفْعَ الصَّوتِ بِالتَّثَاؤُبِ وَالعُطاس**). ''بے شک اللہ اونچی آواز میں چھینک مارنے اور جمائی لینے کو پسند نہیں کرتا۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اللہ کے رسول-ﷺ- سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔[٥٠]۔

[☆ **کتنے چھینکوں کا جواب دیں**:]

سنن ابوداود میں نبی-ﷺ- کی حدیث حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کی تین چھینکوں کا جواب دو، اس سے زیادہ اگر وہ چھینکے تو پھر وہ زکام ہے۔[٥١]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی پہلی بار چھینک کر **الحمد لله** کہے تو تم **یرحمک الله** کہو،

دوسری بار چھینکے تو یرحمک اللہ کہو، تیسری بار چھینکے تو یرحمک اللہ کہو اور جب چوتھی دفعہ چھینکے تو کہو: عَافَاکَ اللّٰہ ۔ چنانچہ نبی-ﷺ- کے سامنے ایک آدمی نے چھینکا آپ نے اس کے لئے یرحمک اللہ کہا، پھر جب چھینکا تو آپ نے کہا: ''اس آدمی کو زکام ہے'' ۔[۵۲]۔

امام ابن القیّم نے کہا: مذکورہ حدیث میں آپ-ﷺ- کا یہ فرمانا کہ ''اس آدمی کو زکام ہے'' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی عافیت کے لئے دعا کی جائے، اس لئے کہ زکام بیماری ہے، اور اس میں تین مرتبہ کے بعد چھینک کا جواب نہ دینے کا عذر بھی موجود ہے، اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ اس بیماری کا علاج کیا جائے یوں ہی نہ چھوڑا جائے کہ کہیں کوئی بڑی مصیبت نہ بن جائے۔ آپ-ﷺ- کی ساری ہی باتیں حکمت، رحمت اور علم وہدایت سے لبریز ہوتی ہیں ۔[۵۳ الف]۔

سنن ابوداود میں نبی-ﷺ- کا یہ بھی فرمان حسن سند سے مروی ہے کہ: (إِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیُشَمِّتْهُ جَلِیسُهُ، فَإِنْ زَادَ عَلَی الثَّلاثَةِ فَهُوَ مَزْکُومٌ، وَلا تُشَمِّتْهُ بَعْدَ الثَّلاث).

''جب تم میں سے کوئی چھینکے تو اس کا ساتھی اس کا جواب دے، جب تین بار سے زیادہ چھینکے تو سمجھ لے کہ وہ صاحب زکام ہے، تین کے بعد پھر جواب نہ دے''۔

اہل علم نے بیان کیا کہ جب کوئی تین بار سے زیادہ چھینکے تو اس کی عافیت کے لئے دعا کی جائے۔

ایک مسئلہ: چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کو جب آپ نے خود نہیں سنا لیکن اس کے بغل میں جو شخص موجود تھا اس نے سنا اور آپ کو علم ہو گیا کہ اس (چھینکنے والے) نے الحمد للہ کہا تو اب آپ کو کیا کرنا چاہئے؟ آپ یرحمک اللہ کہیں، ہاں اگر آپ کو پتہ ہی نہ چل پائے تو پھر آپ جواب نہ دیں۔

دوسرا مسئلہ: چھینکنے والا اگر **الحمد للہ** کہنا بھول جائے تو کیا اس کو یاد دلایا جائے؟
اہل علم کی ایک جماعت کی رائے یہی ہے جیسے کہ امام نووی وغیرہ علماء اس کو مستحسن جانتے ہیں۔ ابراہیم تیمی اور ابن مبارک نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابن مبارک کی موجودگی میں کسی نے چھینکا اور **الحمد للہ** نہ کہا، ابن مبارک نے پوچھا کہ جب کوئی چھینکے تو کیا کہنا چاہئے، اس نے جواب دیا: **الحمد للہ**، تب ابن مبارک نے کہا: **یرحمک اللہ**۔ یہ ایک رائے ہے۔
البتہ صحیح بات یہ ہے کہ یاد دلانا آپ پر ضروری نہیں، اس لئے کہ اگر یاد دلانا لازم ہوتا تو آپ -ﷺ- اس کا زیادہ حق رکھتے تھے کہ یاد دلائیں اس وقت جب ایک شخص نے آپ کے سامنے چھینکا اور **الحمد للہ** نہیں کہا اور آپ نے جواب بھی نہیں دیا، یہ اس کے لئے بطور سزا ہے، دعا کی برکت سے محرومی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو حمد کی برکت سے محروم رکھا۔ چنانچہ لوگ آپ کی مجلس میں چھینکتے اور اللہ کے رسول ﷺ انہیں یاد نہ دلاتے اور نہ ان کی چھینک کا جواب دیتے۔ یہی قول راجح ہے۔[۵۳ب]۔

☆**یہودیوں کی چھینک کا جواب**:
یہودی آپ -ﷺ- کی موجودگی میں چھینکتے اور **الحمد للہ** کہتے (اس امید کے ساتھ کہ آپ -ﷺ- انہیں رحمت کی دعا دیں گے لیکن) آپ جواب میں **یھدیکم اللہ و یصلح بالکم** کہتے۔ ابوداود، ترمذی، احمد، الادب المفرد۔[۵٤]۔ اس حدیث کو امام ترمذی، امام نووی اور امام حاکم نے صحیح بتلایا ہے۔

اس حکمت پر غور کیجئے: کہ یہود ہدایت کے محتاج ہیں، رحمت کے اہل نہیں ہیں، وہ دین کی مخالفت کررہے ہیں تو کیاان کے لئے رحمت کی دعا کی جائے؟ نہیں! ان کو ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ پہلے انہیں ہدایت دے، قبل اس کے کہ ان پر رحم کرے، اسی لئے آپ-ﷺ- نے **یرحمکم الله** کے بجائے الفاظ بدل کر **یهدیکم الله و یصلح بالکم** کہا۔

پانچواں ادب: بیمار کی عیادت

۱-عیادتِ مریض کی فضیلت اور اس کے لئے دعا:

آپ-ﷺ-نے فرمایا:(وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ).

''جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو''۔

مسلمانوں کے درمیان محبت پیدا کرنے والی یہ ایک اور راہ ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان پر اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا یہ حق ہے کہ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے۔عیادت کے کچھ آداب ہیں،اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام کی بڑی فضیلت ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان-رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ رسول اللہ-ﷺ- نے فرمایا:''جو مسلمان کسی مسلمان مریض کی عیادت کرے تو واپس آنے تک وہ "خُرْفَةُ الْجَنَّه" میں ہے''۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپ-ﷺ- سے پوچھا گیا کہ''اے اللہ کے رسول "خُرْفَةُ الْجَنَّه" کیا چیز ہے''؟ آپ نے فرمایا:''اس کے باغات''۔ [٥٥]۔ یعنی وہ جنت کے باغیچوں میں سیر کر رہا ہے۔

آپ-ﷺ-خود اپنے صحابہ کرام کی عیادت کیا کرتے تھے۔پس ایک دفعہ سعد بن ابی وقاص-رضی اللہ عنہ- کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے،ان کے حق میں دعا کی،اور ان سے کہا: شاید کہ تم کچھ دن اور زندہ رہو تمہارے ذریعہ کچھ لوگوں کو فائدہ پہنچے گا،کچھ دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔[٥٦]۔

ایک دفعہ آپ جابر-رضی اللہ عنہ- کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے،آپ نے انہیں بے ہوش پایا تو وضو کیا،ان کے اوپر پانی انڈیلا جس سے وہ ہوش میں آ گئے۔

نیز جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ آپ -ﷺ- ایک اعرابی کی عیادت کے لئے گئے، اس کے پاس پہنچے تو فرمایا: (لاَ بَـأسَ طَهُورٌ اِن شاء الله) ''کوئی غم کی بات نہیں، ان شاءاللہ ٹھیک ہو جاؤ گے''۔ اعرابی نے کہا: ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو بخار ہے، جو بوڑھوں پہ تیز حملہ کرتا ہے، آخر قبر تک پہنچا کے چھوڑتا ہے، تب آپ -ﷺ- نے فرمایا: ہاں تب تو پھر ایسا ہی سہی۔ آخر اس اعرابی کی وفات اسی بیماری میں ہوئی۔[٥٧]۔

آپ -ﷺ- جب کسی بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کے لئے دعا کرتے، تھوڑی دیر اس کے سرہانے بیٹھتے، اپنا دست مبارک اس کے سینہ پہ رکھتے، اس طرح کرنے سے بیمار انسیت وشفقت محسوس کرتا ہے۔

٢- عیادت کے آداب:

عیادت اہل سنت کے ہاں ہر تیسرے دن ہے الا یہ کہ کوئی زیادہ قریبی رشتہ دار ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی اور جو بھی ان کے حکم میں ہیں، ہاں ان کے علاوہ کی عیادت ہر تیسرے دن کرنی چاہیئے۔ البتہ اگر آپ ہر روز صبح وشام جاتے رہیں تو یہ ان کے لئے باعث پریشانی ہو سکتا ہے۔

امام ذہبی نے سلیمان بن مہران -جو اعمش کے لقب سے جانے جاتے ہیں- کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ ایک طویل عرصہ تک بیمار رہے، لوگوں کی زیارت کا تانتا بندھ گیا جو ان کے لئے پریشانی کا باعث بنا، تو انہوں نے اپنی بیماری کی تفصیل ایک کاغذ پر لکھا اور اس کو تکیئے کے نیچے رکھدیا، جب بھی کوئی آتا اور ان کی بیماری کے بارے میں پوچھتا تو اس کاغذ کو دکھا کر کہتے یہ پڑھ

لیجئے۔ جب لوگ کثرت سے آنے لگے تو آپ نے اپنے تکئے کو بغل میں لیا اور کھڑے ہو کر کہا اب اللہ نے تمہارے بیمار کو ٹھیک کر دیا ہے۔

مسلمان کو چاہئے کہ عیادت کے لئے ایسا وقت تلاش کرے جو بیمار کے لئے مناسب ہو۔ پس وہ اس کے سونے کا وقت ہو نہ اس کے کھانے کا اور نہ ہی نماز کا اور نہ ایسا وقت ہو جس میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ آرام کر رہا ہو بلکہ مناسب وقت تلاش کرے۔

عیادت کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ دیر تک مریض کے پاس نہ بیٹھیں، کیونکہ بعض لوگ جب مریض کی زیارت کو جاتے ہیں تو اس کے مرض کو مزید بڑھا دیتے ہیں، چنانچہ گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھے رہتے ہیں، حالانکہ یہ عیادت کے آداب میں سے نہیں ہے۔

اس لئے جب آپ بیمار کی عیادت کے لئے جائیں، اور دیکھیں کہ مرض ہلکے قسم کا ہے، تو اس کے سامنے اس کی اچھی صحت کا، مرض کے ہلکے ہونے کا، ذکر کرتے ہوئے ماشاءاللہ کہیں اور کہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ اتنے اچھے ہوں گے...... آپ کی صحت تو اچھی ہے...... آپ کی حالت بہتر ہے، اللہ آپ کو شفا دے، عافیت عطا فرمائے، ان شاء اللہ بہت جلد آپ اس سے چھٹکارا پا جائیں گے، اس قسم کے اچھے کلمات کہنا چاہئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ عیادت کرنے کے لئے غمگین شکل میں جائیں جس سے بیمار کی بیماری اور بڑھا دیں، جیسا کہ بعض لوگ (اللہ انہیں ہدایت دے) مریض کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ اس کا بہت برا حال ہے، اس کی بیماری کا کوئی علاج نہیں، اب تو چاہئے کہ وہ اپنے مال و جائداد کی وصیت کر ڈالے، جو بھی ترکہ ہے اسے تقسیم کر دے اس جیسی باتیں کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس مریض کو مُردوں کی فہرست میں شامل کر دیتے ہیں۔

یہ بڑی غلطی ہے، ذہنی حالت کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ جب آپ اس کو یہ احساس دلائیں کہ وہ صحت و عافیت کے ساتھ ہے،تو ممکن ہے کہ بحکم الٰہی یہ اس کے شفایابی کا سبب بن جائے۔اسی لئے جب آپ -ﷺ- کسی بیمار کی عیادت کرتے تو فرماتے: 'کوئی غم کی بات نہیں انشاء اللہ یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے' جیسے کہ یہ کلمات اعرابی کی عیادت کے واقعہ میں گذر چکے ہیں۔
لیکن اہل علم کا کہنا ہے کہ: جب آپ کسی ایسے آدمی کی عیادت کے لئے جائیں جو آخرت کے قریب پہنچ چکا ہو اسے ایسی بیماری لاحق ہے کہ اب شفا کی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تو اس کو ترغیب دیں کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے، اس کی اللہ کے ہاں حاضری اچھی ہو، اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھے۔(ایسے حالات میں) عیادت کرنے کا یہی مسنون طریقہ ہے۔
عیادت کرنے والا جب تک بیمار کے پاس بیٹھا رہے، دنیا کا ذکر، مذاق اور نامناسب گفتگو نہ کرے، بلکہ تھوڑی دیر زیارت کرے اور اٹھ جائے۔

چھٹا ادب: جنازے کے ساتھ جانا

١- جنازے کے ساتھ جانے کی فضیلت:

نبی-ﷺ-کا ارشاد مبارک ہے کہ: (وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ).

''جب وہ مرجائے اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ''۔

مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، حتی کہ جب وہ بے روح لاش بن جائے، اس کی روح مقام علیین (وہ جگہ جہاں نیک لوگوں کی روحیں اوران کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں) میں پہنچ چکی ہو، آپ اس کے جنازے کے ساتھ جائیں اس کے جوحقوق آپ پر ہیں انہیں ادا کریں، اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہوئے اس کے لئے دعاء مغفرت کریں، وہ مٹی تلے رکھا جاچکا ہے آپ اس کے حق میں رحمت کی دعا کریں، اس کے بعد بھی اس کے لئے دعا کرتے رہیں، اوراس کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دعا کریں۔

یہ اسلامی بھائی چارگی ہے، یہ ایمانی عہد و پیمان ہے، یہ ہیں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق، جوصرف اس کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتے، بلکہ اس کی موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، سنن ترمذی میں ضعیف سند کے ساتھ ایک حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ ''جو جنازے کے ساتھ چلا اوراسے تین مرتبہ اٹھایا تو اس نے اس کا حق ادا کردیا''۔[٥٨]۔

لیکن بخاری، مسلم میں ہے کہ آپ-ﷺ-نے فرمایا:

(مَن شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيهَا فَلَهُ قِيرَاط، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدفَنَ فله قِيرَاطَانِ) قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَان؟ قَالَ: مِثل الجَبَلَينِ الْعَظِيمَين).[٥٩]۔

''جوشخص نماز ہونے تک جنازہ کے ساتھ شریک رہا اسے ایک قیراط اجر ہے اور (جونماز کے بعد) دفن سے فراغت تک حاضر رہا اسے دو قیراط اجر ہے''۔ پوچھا گیا کہ دو قیراط کتنے ہوتے ہیں؟ آپ-ﷺ- نے جواب میں فرمایا: ''دو بڑے پہاڑ کے برابر''۔
غور کریں کیا ہی آسان عمل ہے اور کس قدر بڑا اجر ہے۔

۲ - جنازے اور تعزیت کے آداب:

سنت یہ ہے کہ پیدل آدمی جنازہ کے آگے چلے۔اس مسئلہ میں تھوڑی تفصیل ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر -رضی اللہ عنہ- نے کہا: میں نے نبی-ﷺ-، ابوبکر اور عمر-رضی اللہ عنہما- کو جنازہ کے آگے آگے چلتے دیکھا۔[٦٠]۔
اس لئے سنت تو یہ ہے کہ جنازے کے آگے چلا جائے لیکن سوار پیچھے چلے گا اور پیدل چلنے والا آگے آگے چلے گا اور اگر پیدل چلنے والا بھی پیچھے چلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمیں جنازے کے ساتھ جانے سے روکا گیا، لیکن سختی سے نہیں۔[٦١]۔
اس لئے عورتوں کو جنازوں کے ساتھ چلنے سے روکا جائے، اس لئے کہ عورت فطری طور پر کمزور ہوتی ہے، فوراً ہی رونا دھونا شروع کر دیتی ہے، خطرہ ہے کہ خود کسی فتنہ کا شکار نہ ہو جائے، خطرہ ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر ناراضگی ظاہر نہ کرے اس لئے خواہ عورت بوڑھی ہی کیوں نہ ہو جنازے کے پیچھے نہ چلے اور نہ ہی قبروں کی زیارت کرے۔
اس سلسلہ میں کچھ ایسی عادات ہیں جو خلاف شریعت ہیں اہل علم نے ان پر تنبیہ کیا ہے، ان کے بارے میں لکھا ہے، غلطی کو واضح کر کے بتلا دیا ہے، اور اس کی جگہ صحیح اور درست اعمال کی طرف رہنمائی کی ہے، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ان غلطیوں میں سے چند یہ ہیں:

۱-تعزیت کی خاطر جمع ہونا، خیمہ نصب کرنا، دعوت کا انتظام کرنا، چیخ وپکار، نوحہ و ماتم کرنا، چہرہ پیٹنا اور گریبان چاک کرنا اسی طرح اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر ناراض ہونا۔

۲-انہیں مخالفات میں سے یہ بھی ہے کہ تعزیت کی مجلس میں بعض لوگوں کا مذاق کرنا یا ایسے انداز سے ہنسنا جس سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو یا دنیوی امور سے متعلق لمبی گفتگو کرنا۔ ان کے علاوہ بھی دیگر ایسے طریقے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں جس پر علماء نے تنبیہ کی ہے (تفصیل کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے)۔

یہ محبت کی بعض راہیں ہیں جنہیں آپ-ﷺ-لیکر آئے، صحابہ کرام-رضی اللہ عنہم-نے انہیں اپنایا اور عملی دنیا میں ان پر عمل کر کے بھی دکھایا، انکا ان تعلیمات کا اپنانا ہر اعتبار سے ایک نادر نمونہ تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل انتہائی گہرائی تک ان اخلاق سے بھرے ہوئے تھے۔ بحکم الٰہی اسکے مطلوبہ نتائج بھی نکلے۔ جن کے ذریعہ وہ اس مقام تک پہنچے، کہ اس تک وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو اللہ کی بندگی کا حق ادا کرے، اللہ کی کتاب اور سنت رسول کو مضبوط تھام لے اور اسلامی اخلاق اپنا لے۔

الحمدللہ......ابھی بھی دروازہ کھلا ہوا ہے، ساز و سامان سب کے سامنے موجود ہے، بس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ تجارت کے لئے آگے بڑھیں، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اس عظیم نسل (صحابہ) کے اخلاق کو اپنالیں، جب ہم یہ کرلیں گے تو ہم انسانیت کے اس انتہائی اونچائی پر پہنچیں گے جس اونچائی پر پہنچنے کی اس روئے زمین پر انسان کے لئے ممکن ہے، ایسے انسان کی صورت کہ فرشتے بھی اس سے مصافحہ کرنے لگیں!!

دلوں کو
جوڑنے کا فن

اول: بھترین مثال جس پر صحابه نے تربیت پائی

جہاں تک دلوں کو جوڑنے کے فن کی بات ہے، ہم صحیح سند سے ثابت احادیث کی روشنی میں نبی -ﷺ- کی سیرت، آپ کی میراث، آپ کی دعوت کی مدد سے اس فن کے بارے میں مذاکرہ کریں، سیکھیں اور اسی سے تربیت حاصل کریں، جیسا کہ ہمارے پیشرو سلف صالحین -رضی اللہ عنہم- نے تربیت حاصل کی۔ اس اہم فن کی بنیاد کس چیز پر ہے اس کے چند عناصر کو ابھی ذکر دیتے ہیں۔

۱- غصه پی جانا:

اللہ -عزوجل- نے اپنی کتابِ محکم میں اس فن کے اصول کو بیان فرمایا اور رسول اکرم -ﷺ- نے اپنے کلام، اپنے عمل اور اخلاق شریفہ عالیہ کے ذریعہ سے واضح فرما دیا۔ اللہ -جل جلالہ- کا فرمان ہے: ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِين﴾.

''جو لوگ غصہ پینے والے اور درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے''۔

اہل علم نے کہا: اس راہ کی تین منزلیں ہیں: ابتدائی مسافر/ میانہ رو لوگ/ نیکیوں میں بہت آگے بڑھ جانے والے۔

پہلی منزل: جس کے ساتھ غلط سلوک کیا گیا، وہ غصہ کو پی لے، یہ ہم جیسے کوتاہ لوگوں کا مقام ہے، کہ وہ غصہ کو پی جائے، مجلسوں میں غصہ نکال کر اپنے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش نہ کرے اور عزتوں پر حملہ نہ کرے۔

دوسری منزل: اس سے آگے بڑھ کر ایک اور اچھا قدم؛ درگزر کر دینا۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے:**والعافین عن الناس** یعنی لوگوں کو معاف کردینے والے ہوتے ہیں)۔جس نے برا سلوک کیا اس کے پاس جا کر اس سے کہے: اللہ آپ کو معاف کرے اور درگزر فرمائے۔

تیسری منزل: اگلا مقام؛ ایک اور اچھا قدم: (جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: **واللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِینَ** یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)۔جس نے تکلیف پہنچائی اس کے پاس کوئی ہدیہ لیکر یا ویسے ہی جائیں، اس سے مصافحہ کریں گلے ملیں۔

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ ہارون رشید کا غلام اس کے لئے گرم پانی انڈیل رہا تھا کہ اچانک لوٹا ہاتھ سے پھسل کر خلیفہ وقت، امیر المؤمنین اور دنیا کے حاکم کے سر پر آ گرا، خلیفہ نے غصہ سے خادم کی طرف دیکھا۔

غلام-بڑا حاضر دماغ تھا-کہا: **وَالْكَاظِمِينَ الْغَيظ** (غصہ کو پی جانے والے)

خلیفہ نے کہا: میں نے غصہ پی لیا۔

غلام نے کہا: **وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاس** (لوگوں سے درگزر کرنے والے)

خلیفہ نے کہا: میں نے تجھے معاف کیا۔

غلام نے کہا: **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِين** (اللہ نیکی/احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

خلیفہ نے کہا: جا میں نے تجھے اللہ کی خوشنودی کے لئے آزاد کر دیا۔

۲- نفرت اور کینہ دل سے نکال دینا:

جنگ جمل میں حضرات عائشہ، طلحہ، زبیر-رضی اللہ عنہم-اور ان کے ساتھ بعض صحابہ (ایک طرف سے)

اپنی تلواروں کے ساتھ اور (دوسری طرف سے) حضرت علی -رضی اللہ عنہ- اوران کے ساتھ بعض بدری صحابہ اپنی تلواروں کے ساتھ نکلے، میدان میں مقابلہ شروع ہوگیا۔ عامر شعبی سے کسی نے کہا: اللہ اکبر! صحابہ تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں اور ایک دوسرے سے بھاگتے بھی نہیں؟ شعبی نے کہا: اہل جنت ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے اور ایک دوسرے سے شرم بھی کررہے ہیں۔ چنانچہ جب اسی معرکہ میں حضرت طلحہ -رضی اللہ عنہ- شہید ہو گئے (جو علی -رضی اللہ عنہ- کے مدمقابل صف میں تھے)، تو حضرت علی -رضی اللہ عنہ- اپنے گھوڑے سے اترے، تلوار کو ایک جانب چھوڑ دیا، پیدل چل کر طلحہ -رضی اللہ عنہ- کے پاس تشریف لائے ان کی طرف دیکھا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں - وہ طلحہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں - ان کی داڑھی پر سے مٹی دور کیا، اور کہا: اے ابو محمد (طلحہ کی کنیت) میں آپ کو اس حال میں دیکھوں یہ میرے اوپر بڑا بھاری گزر رہا ہے، لیکن میں اللہ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنائے جن کے بارے میں فرمایا:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ﴾ [الحجر ٤٧]

﴿ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے﴾

ذرا دیکھیں تو سہی کیسے صاف وشفاف دل، کتنی دور و گہرائی کی سوچ اور کس قدر مثالی کردار، کہ آپس میں لڑ رہے ہیں، خون بہہ رہا ہے، اور علی -رضی اللہ عنہ- طلحہ -رضی اللہ عنہ- کو اپنے سینہ سے لگا رہے ہیں سلامتی کی دعائیں دے رہے ہیں اور انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ وہ جنتوں، نہروں میں راستی اور

عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس اکٹھے بیٹھیں گے۔ سچ ہے کہ یہ انوکھا منظر ہے، نرالی مثال ہے۔

یہ زندہ مثال واضح طور پر ہمیں بتلا رہی ہے کہ وہ انسانی تقاضوں سے ہٹ کر کچھ اور نہیں تھے، کسی ایک دن بھی وہ فرشتے نہیں تھے، لیکن انسانیت کے اس انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے جس کا دنیا نے مشاہدہ کیا تھا۔

☆ابن سمّاک کا ایک دوست بہت ناراضگی کے ساتھ ان کے پاس سے گذرا اور کہا: **'غَـــدًا نَتَـحَـاسَـب'** ، یعنی کل میرا آپکا حساب ہوگا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کل بروز قیامت جب ہماری آپ سے ملاقات ہوگی تو میں آپ کا محاسبہ کروں گا آپ ہمارا محاسبہ کریں گے میں آپ کو ملامت کروں گا آپ مجھے ملامت کریں گے، پھر ہمیں پتہ چلے گا کون غلطی پر ہے۔ ابن سماک نے کہا: نہیں، واللہ! کل ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں گے۔

اہل ایمان ایک دوسرے کی غلطیوں پر محاسبہ کرتے ہوئے، ایک دوسرے سے یہ نہیں کہتے کہ تو نے میرے بارے میں ایسے لکھا تھا، ایسے ......ایسے کہا تھا......، میں نے سنا کہ تو میری غیبت کر رہا تھا اور......اور......نہیں ایسا نہیں کرتے، یہ غلط اسلوب ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی سے کہیں: ا''للہ آپ کو بخش دے''۔

۳- اپنی عزت، اپنامال اللہ کے راستے میں قربان کرنا:

یہ مبارک جماعت اس مقام تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں کا ایک آدمی رات کو اٹھتا - جسکا نام اُبو

ضمضام ہے- اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، دعا کرتے ہوئے کہتا ہے: اے اللہ میرے پاس مال و دولت نہیں کہ میں تیرے راستے میں خرچ کروں، ایسا جسم بھی نہیں کہ تیرے راستے میں جہاد کروں، لیکن مسلمانوں پر میں اپنی عزت کا صدقہ پیش کرتا ہوں کہ آج کے بعد جو بھی مجھے گالی دے، ظلم کرے، میری غیبت کرے اے اللہ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنادے۔

مروی ہے کہ ایک دن نبی -ﷺ- نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی، علبہ بن زید کھڑے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول -ﷺ-! آپ نے صدقہ کی ترغیب دی، میرے پاس سوائے میری عزت کے اور کچھ نہیں اس لئے جس نے مجھ پر ظلم کیا میں اس پر اپنی عزت کا صدقہ کرتا ہوں۔ آپ -ﷺ- نے اس صحابی کی بات کو نظر انداز کر دیا، لیکن اگلے روز خود ہی آپ -ﷺ- پوچھنے لگے کہ علبہ بن زید کہاں ہے؟ اپنی عزت کا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ اس لئے کہ بے شک اللہ نے ان کے صدقہ کو قبول کیا۔ [ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، اس میں محمد بن سلیمان بن مشمول ضعیف ہے]۔

یہ ہے عزتوں کا صدقہ کرنا، داعی حضرات اور طالب علموں کو چاہئے کہ وہ اپنی عزتیں اس طرح پیش کریں جیسے محمد -ﷺ- نے پیش کیا، آپ -ﷺ- نے تو اس زندہ جاوید دعوت کے لئے اپنی جان، مال اور عزت سب کچھ پیش کیا، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے جان و مال، خون و عزت اور ہمارے اہل وعیال سب کچھ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے لئے قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

٤- دوسروں کی لغزشوں کو برداشت کر لینا:

صاحب احیاء امام غزالی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی نے آ کر بیان کیا: اے ابوسعید! فلاں نے آپ کی غیبت کی ہے، آپ نے اس کو قریب بلایا اور تازہ کھجور کا ایک تھال دے کر کہا، جا کر یہ تھال اس کو دو اور کہو کہ تم نے ہمیں اپنی نیکیاں دیں، ہم نے تمہیں یہ تازہ کھجوریں دیں، چنانچہ وہ آدمی گیا اور اس کو دے آیا۔

اس واقعہ سے مقصود یہ ہے کہ دنیا کا معاملہ بالکل آسان اور ہلکا ہے، بعض لوگ اپنی نیکیاں صدقہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کو اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے کہ کوئی آپ پر حسد کرے، کوئی آپ کی مخالفت کرے، یا آپ کے خلاف انتقام کی سازش کرے آپ پریشان نہ ہوں بلکہ یہ سمجھیں کہ یہ سب آپ کے میزان حسنات میں جمع ہو رہے ہیں، یہ آپ کے بلندی درجات کا سبب ہوں گے۔

☆ حضرت موسی -علیہ السلام- کی سیرت میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، اے میرے رب! میں تجھ سے ایک چیز کے لئے دعا کرتا ہوں، اللہ نے کہا: کیا ہے بتاؤ موسی؟ - جبکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے- حضرت موسیٰ -علیہ السلام- نے کہا: میری درخواست ہے کہ لوگوں کے زبانوں کو میرے خلاف کہنے سے روک لے، اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! یہ کام میں نے اپنے بارے میں بھی نہیں کیا، حالانکہ میں انہیں پیدا کرتا ہوں، روزی دیتا ہوں، پھر بھی وہ مجھے گالی دیتے ہیں، مجھے عیب لگاتے ہیں۔ سبحان اللہ! وہ اللہ جو رحمٰن، اَحد، فرد، صمد ہے، جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی وہ خود کسی کی اولاد

ہے، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے، لوگ اسے گالی دیتے ہیں، یہ کمزور، حقیر وذلیل مخلوق، جو قطرہ منی سے نکلا پھر بھی اللہ-ﷻ-کو گالی بکتا ہے؟؟؟ اللہ کی شان بلند وبالا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ-رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ رسول اللہ-ﷺ- نے فرمایا:

قال الله: كذبني ابن آدم ولم يكن له ذلك وشتمني ولم يكن له ذلك فاما تكذيبه اياى فزعم انى لا اقدر ان اعيده كما كان واما شتمه اياى فقوله لى ولد فسبحانى أن أتخذ صاحبة أو ولدا. [البخاری، تفسیر القرآن، وقالوا اتخذ الله ولدا، ٤٤٨٢]۔

''اللہ نے کہا: ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور جھٹلانا اس کے لئے مناسب نہیں، وہ مجھے گالی دیتا ہے، حالانکہ مجھے گالی دینا بھی اس کے لئے مناسب نہیں،، یہ کہہ کر وہ مجھے جھٹلاتا ہے کہ میں اسے دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا جیسا کہ پہلے پیدا کیا تھا، اور یہ کہہ کر مجھے گالی دیتا ہے کہ میری اولاد ہے، پس میری ذات پاک ہے کہ میں کسی کو اپنی بیوی یا اولاد بناؤں''۔

امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب الزھد میں ہے کہ اللہ-ﷻ-فرماتا ہے: **(عجبا لک یا ابن آدم، خلقتک وتعبد غیری! ورزقتک وتشکر سوای! أتحبب الیک بالنعم، وأنا غنی عنک! وتتبغض الی بالمعاصی، وأنت فقیر الی! خیری الیک نازل، وشرک الی صاعد).**

اے آدم کے بیٹے تعجب تجھ پر! تجھے پیدا تو میں نے کیا لیکن تو غیروں کی عبادت کرتا ہے، تجھے روزی تو میں نے دی لیکن تو شکر میرے سوا کسی اور کا بجالاتا ہے، میں تجھ سے بے نیاز ہوں پھر بھی

تجھے خوش کرنے کے لئے نعمتوں سے نوازتا ہوں پھر بھی میری نافرمانی کرکے مجھے ناراض کرتا ہے، تو میرا محتاج ہے۔ میری طرف سے تیری طرف خیر برستی ہے جبکہ تیری طرف سے مجھ تک برائی ہی برائی پہنچ رہی ہے۔

تو جب صورت حال یہ کہ اللہ واحد و یکتا، ہر عیب و کمزوری سے پاک ذات کو بعض شریر لوگ گالی بکتے رہتے ہیں، پھر ہم کوتاہ حال لوگوں کا کیا کہنا۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو یہ بڑی بہتر دلیل ہے اس بات کی کہ صحابہ کرام کی مثال بلند اور اچھا نمونہ ہے، آپس میں وہ راضی بھی تھے اور آپس میں انہوں نے اختلاف بھی کیا جیسے کہ دوسرے انسان اختلاف کرتے ہیں، ان کے درمیان چند دن تک نفرت نے بھی جگہ بنالی لیکن بالآخر صاف دل والے بن گئے، ایک دوسرے کے گلے ملے، صبر کا مظاہرہ کیا، محبت کو آپس میں بانٹا، کیوں؟ اس لئے کہ ان سب کی بنیاد ایک ہی تھی اور وہ تھی: **لا اله الا الله محمد رسول الله**۔

باقی ان کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی انسان تھے فرشتے نہیں تھے، آپ -ﷺ- کے اس فرمان سے باہر نہ نکل سکے کہ "ہر انسان خطا کار ہے"۔[٦٢]

وہ ایسے سفید کاغذ کے مانند بھی نہ تھے کہ جس میں کوئی داغ نہ ہو اور نہ ہی عیب۔ وہ ہرگز ایسے نہیں تھے!

وہ انسان ہی تھے، ان کے دلوں میں بھی انسانی جذبات کام کرتے تھے، انہیں جذبات کے ساتھ وہ زمین میں چلتے پھرتے تھے، لیکن ان جذبات کی حالت انتہائی پاکیزگی اور بلندی پر تھی۔

بشری جذبات کے تحت اگر وہ لوگ زمین پر بسنے والے ادنیٰ لوگوں کی صف میں پہنچ بھی جاتے تو فوراً ہی اس بلند مقام تک چڑھ جاتے جہاں تک انسان کے لئے پہنچنا ممکن ہے۔ وہ عمل پیہم میں مشغول رہتے اگر بسا اوقات کوئی بوجھ بلندی سے انہیں لے گرتا تو اس پستی میں صبر نہ کرتے بلکہ نئے سرے سے بلندی پر پہنچنے کی کوشش کرتے اور برابر چڑھتے جاتے۔

ابوبکرؓ کی سیرت میں یہ چیز ملتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے ان سے کہا: اے ابوبکر! میں تمہیں ایسی گالی دوں گا جو تمہارے ساتھ قبر میں داخل ہوگی، ابوبکر نے کہا: بلکہ وہ تو تمہارے ساتھ تمہاری قبر میں داخل ہوگی، میرے ساتھ میری قبر میں نہیں۔

سچ کہا ابوبکر نے رضی اللہ عنہ وارضاہ، جسے گالی دی گئی ہے اسکے ساتھ گالی قبر میں نہیں جائے گی، بلکہ جس نے گالی دی ہے اسی کے ساتھ جائے گی اس لئے کہ اس نے اپنی زبان کو اللہ کے بندوں کو تکلیف دینے میں لگا رکھا ہے۔ کیا یہ جاہل جس نے ابوبکر کو گالی دی وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی گالی ابوبکر کے ساتھ قبر میں جائے گی؟، یہ تو جہالت ہے اور اس سے بڑی کونسی جہالت ہو سکتی؟

پھر حضرت ابوبکرؓ کے جواب پر غور کریں، کہ صرف اتنا کہا کہ 'تیری قبر میں داخل ہوگی میری قبر میں نہیں'۔ صرف اتنا ہی ان کا جواب تھا۔ یہ نہیں کہا کہ میں بھی تجھے گالی دوں گا، جو تیری قبر میں داخل ہوگی، میں تیرے ساتھ ایسا کروں گا ویسا کروں گا، میں تجھے مزا چکھادوں گا .... کچھ نہیں......بس اتنا کہا کہ 'تیرے ساتھ تیری قبر میں داخل ہوگی'۔

ابوبکر کا جواب اور آپ کا تصرف ہی صحیح تھا، کیونکہ الٹا جواب، گناہ کی بات اور تکلیف دہ گفتگو کا وبال وحسرت اسے ہی ہوگا جس نے ایسی بات کہنے کی جرأت کی اور اپنے بھائی کے دل کو گھائل کیا ہوگا۔

۵- جھگڑا ختم کرنا اور صلح کی کوشش کرنا:

ایک آدمی نے حضرت عمرو بن عاص -رضی اللہ عنہ- سے کہا: میں فارغ ہوکر تمہارے خلاف مہم جوئی کروں گا۔
عمرو بن عاص نے کہا: تب تو (تم حقیقت) میں مشغول ہوجاؤ گے۔
یہ ہے حق بات کہ جو اس لئے فارغ ہونا چاہتا ہے کہ لوگوں کو اذیت دے، گالی دے، یا ان کے خلاف کوئی سازش کرے وہ کبھی فارغ نہیں ہوسکتا، بلکہ اللہ اسے لوگوں میں مشغول کئے رکھتا ہے، حقیقت میں وہ اپنی عمر عزیز کا متاع گراں لایعنی اور بے فائدہ باتوں میں گنوا رہا ہے۔
حضرت عَمر و بن عاص -رضی اللہ عنہ- کا جواب درست اور اس حکمت پر مبنی تھا (جس کا ذکر اللہ تعالی اس آیت میں کرتا ہے) ﴿وَمَنْ يُؤتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أوتِيَ خَيرًا كَثِيرًا﴾. [البقره: ٢٦٩]۔ ''اور اللہ جسے حکمت سے نوازے یقیناً وہ بہت زیادہ بھلائی سے نوازا گیا''۔
اصحاب حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عامر شعبی - جو مشہور علماء تابعین میں سے ہیں- کے سامنے ایک آدمی نے کھڑے ہوکر کہا: اے عامر تم نے جھوٹ کہا۔ عامر نے کہا: اگر تو سچا ہے تو اللہ مجھے بخش دے، اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے بخش دے۔
قارئین کرام ذرا غور کیجئے کہ اس کے بعد اس آدمی نے کیا کہا؟
چپ رہا!! اس لئے کہ جو جھگڑے کو آگے نہ بڑھانا چاہے اور صلح کی گنجائش نکالنے لگے، لوگوں کو نہ ابھارے خاص کر فضل و مرتبہ والے تو ایسا شخص سب سے پہلے اپنے اوپر احسان کرنے والا ہوتا ہے اور پھر اسلام و مسلمانوں کا محسن مانا جاتا ہے۔

٦- محاسبه نفس:

حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمر (جو تابعین میں بہت علم والے تھے) کی سیرت میں ہے کہ منیٰ میں ایک آدمی نے ان سے ٹکرایا، پھر خود ہی پلٹ کر سالمؒ کی طرف دیکھا اور کہا: میرا خیال ہے کہ تم بُرے آدمی ہو، سالم نے کہا: مجھے صرف تم نے پہچانا ہے۔ اس لئے کہ سالم اپنے آپ کو برا آدمی سمجھتے تھے، اور یہ درست ہے کہ مومن جب بھی اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ اس کا نفس اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ گیا ہے یا اپنی حقیقت کو بھول رہا ہے تو مومن اپنے آپ کو صاحب تقصیر ظاہر کرتا ہے اس طرح مومن ہمیشہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے، اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے، جبکہ فاجر و منافق لوگ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے بڑا پاک و نیک بن کر دکھاتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب کا حال یہ تھا کہ آدھی رات کو کھڑے ہوتے اور اپنے نفس کو مخاطب ہوکر کہتے: ''اے ساری برائیوں کی آماجگاہ! اللہ کی عبادت کے لئے کھڑی ہوجا''۔

یہ بات سعید بن میسّب اپنے آپ سے کہتے ہیں، ہم اپنے آپ سے کیا کہتے ہیں؟

اے اللہ ہمارے عیوب کو چھپالے۔

صحیح سندوں کے ساتھ ثابت قصہ ہے کہ ایک آدمی حرم میں ابن عباس (جو حِبر الأمہ اور ترجمان القرآن کے لقب سے معروف ہیں) کے سامنے کھڑا ہوا اور لوگوں کے روبرو انہیں گالی دی، اور ادھر ابن عباس اپنا سر جھکا لیتے ہیں، ایک اُجڈ بدو علامۃ الدھر کو گالی بکے جارہا اور وہ جواب تک نہیں دیتے ......اسی طرح بدو مسلسل گالیاں بکتا ہی جارہا تھا، بالآخر ابن عباس نے اپنا سر اٹھایا اور

کہا: کیا تو مجھے گالی دیتا ہے، جبکہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں؟

اس نے کہا: کیا ہیں وہ اے ابن عباس؟

ابن عباس نے کہا: اللہ کی قسم جب بھی بارش ہوتی ہے میں بڑا خوش ہوتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، جبکہ میری نہ کوئی اونٹنی ہے نہ بکری!! (یعنی اس سے میرا ذرہ برابر فائدہ نہیں ہوتا)۔

اس نے کہا: دوسری کیا ہے؟

ابن عباس: جس کسی انصاف پسند قاضی کے بارے میں میں نے سنا اس کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے دعا دی جبکہ میرا اس کے پاس کوئی زیر سماعت معاملہ نہیں ہوتا۔

اس نے کہا: تیسری کیا ہے؟

ابن عباس: اللہ کے کتاب کی جو بھی آیت میں نے سمجھی یہی خواہش کی کہ سارے مسلمان اس کو اسی طرح سمجھ لیں جیسے میں نے سمجھا۔

یہ ہے، بہترین مثال ان صحابہ کی، جس پر نبی محمد -ﷺ- نے ان کی تربیت کی ہے، عقیدہ کی بنیاد پر، ایمانی اخلاق پر، ورنہ وہ تو صحراء میں پلی ہوئی ایک ان پڑھ قوم تھی لیکن اللہ کے نبی -ﷺ- دھیرے دھیرے ان کی تربیت کرتے رہے، ان کے روشن مستقبل کو سنوارتے رہے، ان کا خاص خیال کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ساری قوموں کی امامت وقیادت کے قابل ہو گئے اور لوگوں کے لئے اچھے نمونے بن گئے۔

ایک مثل مشہور ہے: کون ہے جو تمہیں سولہ آنے پورا ملے، تو مہذب بھائی کو پانا چاہتا ہے، یہ ممکن نہیں، ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ آٹھ آنے، پانچ آنے، دس آنے کے ہی ملیں گے۔

کیا کسی مسلم معاشرے میں ایسا شخص آپ نے پایا - چاہے وہ حسن اخلاق کے عظیم بلند چوٹی پر پہنچا ہوا ہو - کہ وہ کامل مکمل ہو، کوئی ایک عیب، نقص اس میں نہ ہو؟ ہرگز نہیں، آپ ایسا آدمی نہیں پائیں گے، ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّى مَنْ يَشَاءُ﴾ [النور: ٢١]۔ ''اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی غلطیوں سے پاک صاف نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے''۔

کسی کو بڑا سخی پائیں گے لیکن وہ غصہ والا ہوگا، کسی کو بردبار پائیں گے لیکن وہ بخیل ہوگا، فلاں بڑا اچھا ہے لیکن جلد باز ہوگا، اس لئے کہ اللہ نے لوگوں میں اچھے برے اخلاق تقسیم کئے ہیں۔ جس انسان کے عیوب گنتی میں آئیں سمجھ لو کہ وہ نیک آدمی ہے، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ آپ جتنی مرضی کوشش کرلیں پھر بھی ان کے عیوب گنتی میں نہیں آتے۔

بعض لوگوں کی بھلائی اور نیکی کو دیکھ کر آپ کہیں گے کہ اس میں کوئی عیب نہیں بس یہ ہلکا سا عیب ہے، جان لو کہ وہی بھلا انسان ہے، جس کی نیکیاں اس کے بدیوں پر غالب رہیں اسلام کی نظر میں وہی اچھا انسان ہے۔ اور جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب آجائیں وہ اللہ کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو میزان میں تولے گا۔ جیسے اللہ - ﷻ - کا ارشاد مبارک ہے:

﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيٓ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِى كَانُوا يُوعَدُونَ﴾۔ [سورة الاحقاف ١٦]۔

''یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور جن کے بداعمال سے درگزر کر لیتے ہیں، (یہ) جنتی لوگوں میں ہیں اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا''۔

اس آیت میں اللہ نے بیان کیا کہ ان کی برائیاں بھی ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو درگزر فرماتا ہے۔ ان سے غلطیاں ہوتی ہیں، ان سے گناہ سرزد ہوتے ہیں لیکن جیسے حدیث میں آتا ہے کہ: (جب پانی دو بڑے مٹکے بھر ہو تو گندگی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی)۔[۶۳]۔ بعض لوگوں کا پانی تھوڑا ہوتا ہے جو بھی چیز گرے فوراً اثر چھوڑتی ہے، ایک قطرہ بھی گندگی کا گرے اثر کرتا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کے محاسن ومناقب دو بڑے مٹکے جتنے ہوتے ہیں (بلکہ اس سے بھی زیادہ) آپ اس میں جو بھی گرائیں اس میں ذرا تبدیلی نہیں آتی، ان کی جود وسخاوت، علم ودعوت، خیر وصلاح، فضل ومرتبت اور سچی نیت وغیرہ بہت سی صفات کی وجہ سے انہیں یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کو بھی شیطان کی طرف سے بعض جھٹکے لگتے ہیں لیکن وہ ان پر اپنا اثر نہیں چھوڑتے۔

اسی لئے امام ابن تیمیہ کہتے ہیں، ابن قیم نے اس بات کو مدارج السالکین میں نقل کیا ہے: ''کہ موسیٰ علیہ السلام تختیوں کو لائے جس میں اللہ کا کلام تھا انہیں زمین پر پھینک دیا، اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر کھینچنے لگے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: حالانکہ ان کے بھائی بھی ان ہی کی طرح نبی تھے، اس کے باوجود لوگوں کے سامنے ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی۔ لیکن اللہ نے انہیں درگزر فرما دیا۔

ابن قیم نے کہا:

وَاِذَا الْحَبِيبُ أَتٰى بِذَنبٍ وَاحِد   جَاءَتْ مَحَاسِنُهُ بِألفِ شَفِيعٍ

جب کوئی پیارا ایک گناہ کر کے آتا ہے   تو اس کی نیکیاں ہزار سفارشیوں کو ساتھ لاتی ہیں

امام بیہقی نے حسن سند سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (**أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُود**). ''اخلاق عالیہ کے حامل لوگوں کی لغزشوں کو درگزر کردو سوائے حدود کے''۔[٦٤]۔

حدود کے بارے میں سارے ہی لوگ برابر ہوں گے، لیکن وہ مسائل جن میں کوئی شرعی حد نافذ نہیں ہوتی ہم پر ضروری ہے کہ ہم **اَهْلُ الْهَيْئَات** کی لغزشوں سے درگزر کریں۔'**اَهْلُ الْهَيْئَات**' یعنی وہ لوگ جو سچائی کے ساتھ اسلام پر جمے ہیں، دعوت میں، خیر کے کاموں میں، کرم وسخاوت میں، ارشاد وتوجیہ میں، معاشرتی مقام میں آگے آگے ہوں، وہی اہل خیر، اہل فضل اور لوگوں میں باعزت، ان جیسے لوگوں سے کوئی اگر چوک ہوجائے تو ہم سب لوگ برداشت کریں، ان کی نیکیوں اور ان کے کرم وسخاوت کو سامنے رکھیں اور پہلے اللہ کے پاس پھر لوگوں کے پاس ان کی قدرومنزلت کو بھی دیکھیں۔

اس لئے بھائی کی صحبت ضرور اختیار کر، ان کی لغزش کو برداشت کر، ان کی چوک کو بخش دے، ان کی غلطی سے درگزر کردے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے جب ان کے ساتھیوں کی بُرائی بیان کی جاتی تو وہ کہتے: فلاں کی طرح کون ہوسکتا ہے، اس میں فلاں......فلاں......خوبیاں ہیں، اور ان کی برائیوں سے چپ رہتے۔

اے کاش! ہم بھی لوگوں کی صرف نیکیاں بیان کرتے، میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا چاہے وہ کیسا کوتاہ ہو مگر اس کی کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور ہوں گی، اگر بالفرض مان لیا جائے کہ اس کی نیکیاں نہیں،

تو کم سے کم نماز تو ضرور پڑھتا ہوگا، اگر اس کی اور نیکیاں نہیں تو کم از کم اللہ سے اور اسکے رسول -ﷺ- سے محبت کرتا ہوگا تو یہ بھی کافی ہے۔

☆ ایک آدمی جس نے شراب پی تھی رسول اللہ کے پاس لایا گیا آپ کے حکم پر اسے کوڑے لگائے گئے، اس طرح کئی بار لگایا گیا تھا۔ چنانچہ کسی نے کہا: اللہ اس پر لعنت کرے کتنی ہی دفعہ پکڑا گیا ہے (کوڑے لگایا گیا، یہ سننا تھا کہ) معلم اعظم -ﷺ- نے فرمایا:

(لا تلعنوه فوالله ما علمت أنه يحب الله ورسوله).

''اس پر لعنت نہ بھیجو، اللہ کی قسم میں اسے جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے''۔[٦٥]۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ایک شخص نے کہا کہ یہ کیسا آدمی ہے اللہ اسے ذلیل کرے۔ آپ -ﷺ- نے فرمایا: **(لاتَكونوا عون الشَّيطَان على أخيكم).**

''اپنے بھائی کے مقابلہ میں شیطان کے مددگار نہ بنو''۔[٦٦]۔

نبی -ﷺ- نے اس کے لئے یہ ثابت کیا کہ اس میں محبت موجود ہے جو ایک نیکی ہے، آپ -ﷺ- نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ اسلامی بھائی چارگی کے دائرہ میں ہے، یہ بڑی نیکیوں میں سے ایک ہے، تو پھر ہم کیوں لوگوں کی نیکیاں اور اسلام میں ان کی قربانیاں یاد نہیں رکھتے؟

خالص شریر آدمی آپ کو کوئی نہیں ملے گا سوائے اس کے جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہو، یا اللہ کے حدود کو پامال کیا ہو، یا فسق فجور کھلم کھلا کرنے لگا ہو، یا شرم وحیاء کی چادر اتار پھینکی ہو، یا اولیاء و صالحین اور اچھے لوگوں سے دشمنی کی ہو اور اسلام کو بالکل اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہو۔

دوم: اختلافات ختم کرنے کا اسلامی منهج

بعض عملی مثالیں:

رسول اللہ -ﷺ- کے زمانہ میں بڑے اچھے نمونے پائے جاتے ہیں، جنہیں آپ -ﷺ- کے صحابہ نے پیش کیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

١- حضرات بلال و ابو ذر -رضی اللہ عنہما- کے درمیان اختلاف:

یہ حضرت ابوذر -رضی اللہ عنہ- ہیں جنہوں نے ایک مرتبہ حضرت بلال -رضی اللہ عنہ- کو ان کے ماں کی گالی دی، حضرت بلال -رضی اللہ عنہ- نے شکایت نبی -ﷺ- تک پہنچا دی، دوسری طرف حضرت ابوذر کو زبان سے نکلے ہوے الفاظ پر شرمندگی کا احساس ہوا، پھر کیا تھا کہ انہوں نے اپنا گال مٹی پر رکھ دیا اور بلال -رضی اللہ عنہ- سے کہا: اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنا گال نہیں اٹھاوں گا جب تک کہ تم اسے اپنے پیر سے نہ روندڈالو، بالآخر دونوں نے مصافحہ کیا اور گلے مل گئے۔[٦٧]۔

٢- مهاجرین اور انصار کا اختلاف:

اسلام لانے کے بعد ایک موقع پر قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار آپس میں لڑ پڑتے! تلواریں میانوں سے نکل چکی تھیں، مدبھیڑ کے لئے تیار ہی تھے، کہ رسول اللہ -ﷺ- ان کے درمیان نمودار ہو گئے اور فرمایا: (مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّة). ''یہ کیا جاہلانہ حرکت ہے''، پھر فرمایا: (دعوها فانها منتنة). ''چھوڑو اسے یہ بہت ہی گندی اور بدبودار ہے''۔[٦٨]۔

یہ سن کر سارے کے سارے صحابہ رونے لگے، ہاتھوں سے تلواریں گرادیں، معانقہ کرنے لگے،

یہ ہے حقیقی بھائی چارہ جو اللہ پر ایمان کے صلے میں ملتا ہے اور یہ ایک نعمت ہے جس سے اللہ نے مسلمانوں کو نواز رکھا ہے، یہ وہ نعمت ہے جسے اللہ اپنے چاہنے والے بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے، اسلام کے سوا دوسری کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی تھی جو ایسے نفرت زدہ دلوں کو جوڑتی، وہ اللہ کی رسی کے سوا کچھ اور نہیں تھا جسے سارے ہی مضبوطی کے ساتھ تھام لیتے، اور اللہ کی نعمت سے آپس میں بھائی بھائی بن جاتے، دلوں کو جوڑنے کے لئے اللہ کے لئے بھائی چارگی کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہ تھا جس کے ذریعے زمانے سے پلنے والے کینے کو، قبائلی خون کے مطالبات کو، شخصی مفادات کو ختم کیا اور نسلی عصبیتوں کے جھنڈوں کو گرادیا۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾۔ [سورة آل عمران ۱۰۳]۔

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچا لیا''۔

☆ اہل تاریخ نے صحیح سند کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا کہ صحابہ کرام غزوۂ بنی المصطلق میں نکلے، حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- کا ایک غلام تھا جسکا نام جہجاہ تھا، اس نے ایک انصاری صحابی سنان بن وبرہ سے جھگڑا کر لیا، دوسرا بھی بڑا سخت غصہ ہوا، یہاں تک کہ دونوں نے نعرہ لگایا، عمر -رضی اللہ عنہ- کے غلام

نے کہا: اے مہاجرو! اور انصاری نے کہا: اے انصاریو! دلوں تک یہ چوٹ پہنچی، عبداللہ بن اُبی بن سلول رئیس المنافقین تک خبر پہنچی تو اس بد بخت نے کہا: ’کہ کسی نے بالکل صحیح کہا: ’’تم اپنے کتے کو بھوکا رکھو وہ تمہارے پیچھے پیچھے رہے گا، اگر اسے خوب موٹا کردو گے تو وہ تمہیں کھا جائیگا‘‘۔ اگر ہم ان کو اپنے گھروں سے دور رکھتے تو آج ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے، جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو عزت والے لوگ ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے؛ منافق کی بات کو زید بن ارقم نے رسول اللہ -ﷺ- تک پہنچا دیا، آپ -ﷺ- تشریف لائے اور صحابہ کرام کو کوچ کرنے کا حکم دیا، کہ منافقین اس مسئلہ میں اور زیادہ باتیں نہ بنائیں، منافقین تو باتوں کو پر لگا کر اڑانا چاہتے تھے، معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہی ہیں انہیں سوائے باتوں کو اڑانے، دوسروں کی لغزشوں، کوتاہیوں کو اچھالنے اور کوئی کام نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اس بارے میں کتابیں لکھ مارتے ہیں، کچھ اپنی طرف سے مرچ مصالحہ لگا کر بیان کرتے ہیں، اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، اسی مشغلہ میں مصروف رہتے ہیں۔ دوسروں کی عزتوں میں یوں منہ مارتے ہیں جیسے کتا پانی میں منہ مارتا ہے۔

یہاں ذرا نبی -ﷺ- کی حکمت عملی پر غور کریں، کہ صحابہ کرام کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا، کہ اب ان کو یہ موقع ہی میسر نہ آئے کہ وہ اس میں مشغول ہو کر باتیں بنانے لگیں۔

اسی لئے افواہوں کو ختم کرنے اور دوستوں کے درمیان پیدا ہونے والی لڑائیوں کو ختم کرنے کا بڑا آسان حل یہ ہے کہ لوگوں کو نفع بخش کاموں میں، علم، علمی مسائل میں مشغول کردیں اور امت

کے بڑے مسائل ان کے سامنے پیش کریں اس لئے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مسائل ہمارے ان ذاتی چپقلشوں سے بڑے ہیں۔اور پاگلوں والی حرکتوں سے بھی بڑے ہیں۔

اسلام کی نشر واشاعت کا مسئلہ، یہود کے ساتھ عالمی میدان میں مقابلہ کا مسئلہ، سیکولرزم، کمیونزم اور عیسائیت کے مقابلہ کا مسئلہ، اس امت مقدسہ جو ہمیشہ رہنے والی امت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امت وسط بنایا ہے اور جو کہ ساری امتوں پر گواہ ہوگی کے اتحاد کا مسئلہ یہ سب بڑے بڑے قضیے اور مسائل ہیں۔ ہمارے روزمرہ لڑائی جھگڑوں، گالی گلوج سے زیادہ بڑے ہیں۔

آپ -ﷺ- سعد بن عبادہ -رضی اللہ عنہ- کے پاس تشریف لائے، اور سارا واقعہ بتلایا، سعد نے فوراً کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم اگر آپ چاہیں تو ہم اسے (رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو) قتل کردیں، یا پھر مدینہ میں داخلہ سے روک دیں، یقیناً آپ عزت والے ہیں، اور وہ ذلیل ورسوا ہے۔ حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- نے بھی کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے قتل کروں، آپ -ﷺ- نے فرمایا: اے عمر! لوگ باتیں کرنے لگیں گے کہ محمد -ﷺ- اپنے ساتھیوں کو قتل کررہا ہے۔

دعوت کے اس مبارک مرحلہ میں مدمقابل کے ساتھ حسن سلوک میں یہی صحیح طریقہ ہے۔ نبی -ﷺ- اپنے پاس ایک دعوتی طریق کار رکھتے ہیں جس پر وہ چل رہے ہیں، دعوت کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہیں، اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس میں آپ کو اپنے خون کی، جان کی، مال کی، بیوی کی، اپنے اہل وعیال کی قربانی دینی پڑے گی۔ اس لئے کہ آپ چاہتے تھے کہ دعوت کو دوام

نصیب ہو، لوگ فائدہ اٹھائیں، لوگ سنیں، نصیحت حاصل کریں اور آپ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہدایت پائیں، جہاں تک شخصی انتقام، یا اپنی ذات کے لئے غصہ ہونا یہ آپ -ﷺ- کے صفات میں سے نہیں ہے۔

آپ -ﷺ- نے حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- کو عبد اللہ بن ابی بن سلول کے قتل سے روک دیا۔ رئیس المنافقین کا بیٹا[جو مسلمان تھا] خود آیا جن کا نام بھی عبد اللہ ہی تھا، کہنے لگا اے اللہ کے رسول میں نے سنا ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ کسی دوسرے آدمی کو قتل کرنے کے لئے بھیجیں، اور وہ قاتل زمین پر چلتا پھرتا رہے تو اسے دیکھ کر میرا دل مطمئن نہ ہوگا یہاں تک کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو قتل کردوں، لیکن اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں تو میں خود ابھی اپنے باپ کا سر آپ کے قدموں میں لاکر رکھ دوں، اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! اگر آپ چاہیں تو میں ابھی اسے قتل کردوں، بے شک آپ ہی بڑی عزت والے ہیں اور وہ ذلیل وخوار ہے۔

دیکھو اس اسلام کی طرف، اس کی طرف اپنی نسبت وتعلق کو، جو ایک باپ اور بیٹے میں جدائی ڈال دیتا ہے جو اس کا حقیقی بیٹا ہے، اس کی نسل ہے، اسی کا خون ہے۔

پھر ذرا اس ایمان کو بھی دیکھو جو اس صحابی جلیل کے اندر رچا بسا ہے، جو اس کے رگ رگ میں دوڑ رہا ہے، ان کے احساسات وجذبات میں سرایت کرگیا ہے اب وہ ان میں ایسے ہی دوڑ رہا ہے جیسے روح اور خون۔

سچ ہے **لا اله الا الله محمد رسول الله** کے ذریعے ایمان ویقین اور شجاعت وبہادری کے

عجیب واقعات نمودار ہوتے ہیں، خارق عادت اخلاق واعمال ظاہر ہوتے ہیں، جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے، اوراس کی تفسیر ووضاحت عقل وبصیرت رکھنے والے بھی نہیں کر سکتے۔

آخر یہ بد بخت [عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین] مرجاتا ہے، اس کا بیٹا عبداللہ نبی -ﷺ- کے پاس آتا ہے، اللہ کے رسول سے ان کی قمیص طلب کرتا ہے، کہ اس قمیص میں ان کے باپ کو کفن دیا جائے آپ -ﷺ- ان کو اپنی قمیص عنایت کر دیتے ہیں، پھر وہ درخواست کرتا ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ آپ -ﷺ- پڑھائیں، آپ -ﷺ- اس پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے ہی تھے کہ حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- نے آپ -ﷺ- کے کپڑے کو تھام لیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز پڑھیں گے جب کہ آپ کو آپ کے رب نے اس کی نماز پڑھنے سے روک دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے اختیار دیتے ہوئے کہا ہے:

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾۔[التوبہ: ۸۰]۔

''ان کے لئے تم استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر (۷۰) مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کروگے تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا''۔ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا۔

عمر نے کہا: بے شک وہ تو منافق ہے!! باوجود اس کے آپ -ﷺ- نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، آپ -ﷺ- کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نماز پڑھی، اس موقع پر اللہ نے یہ آیت اتار دی:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾۔[التوبہ ۸۴]۔

''ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں''۔

☆ منافقین میں سے وہ لوگ جو جنگ میں پیچھے رہ گئے تھے اہل ایمان کے ساتھ برا سلوک بھی کیا، اللہ کے رسول کی مخالفت کی، اللہ کی نافرمانی کی، ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے اے اللہ کے رسول میں بیمار تھا، آپ کہتے: تو نے سچ کہا، حالانکہ وہ جسمانی بیمار نہیں، دل کا روگی تھا۔ ایک دوسرا آ کر کہتا ہے: میری بیوی جنگ کے وقت بیمار ہوگئی تھی، آپ کہتے ہیں: تو نے سچ کہا، تیسرا آ کر کہتا ہے: میں فقیر تھا کہ سواری کے لئے اونٹ بھی نہیں خرید سکتا تھا، آپ کہتے: تو نے سچ کہا۔ اللہ کہتا ہے:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِين﴾۔ [التوبہ ٤٣]۔

''اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے''۔

اس حُسن اخلاق سے آپ –ﷺ– نے کیا بنایا؟

اپنی دعوت کے ذریعے دلوں کو جمع کیا، اپنی حکمت سے روحوں کو جوڑ دیا، ان (سچے صحابہ کرام) میں سے ایک صحابی کہتا ہے: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، بے شک آپ میرے نزدیک میرے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

دوسرا کہتا ہے: آپ کے رعب واحترام کا یہ عالم ہے کہ میں نے کبھی نظر بھر کے آپ کو دیکھا نہیں۔ اللہ کی قسم اگر آپ لوگ مجھ سے یہ سوال کریں کہ میں آپ کا حلیہ بیان کروں تو نہیں کرسکتا کہ آپ

کے رعب واحترام کا یہ عالم تھا کہ میں نے نگاہ بھر کے کبھی دیکھا ہی نہیں۔
صحابہ کرام تو یہ تمنا کرتے تھے کہ ان کا خون بہہ جائے، ان کی گردنیں کٹ جائیں لیکن آپ -ﷺ- کو کانٹا تک نہ چبھے...... یہ ہے سچی محبت۔

۳- معاویہ اور ابن زبیر کے درمیان اختلاف:

مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ کا ایک کھیت تھا جس میں کچھ کسان مزدور تھے، اس کے بازو میں ہی حضرت عبداللہ بن زبیر کا کھیت بھی تھا، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آج کے تقریبا تقریبا بیس (۲۰) ملکوں پر حکومت کر رہے تھے اور ابن زبیر ان کی رعایا میں سے ایک شہری تھے، ان کے درمیان کچھ پرانی خلش تھی۔ حضرت معاویہ کے کھیت کے مزدور حضرت ابن زبیر کے کھیت میں گھس آئے تو ابن زبیر نے معاویہ کو خط لکھا- ابن زبیر -رضی اللہ عنہ- غصہ والے تھے- اس میں یہ بات تحریر کی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط عبداللہ بن زبیر یعنی حواری رسول اور ذات النطاقین کے بیٹے کی طرف سے معاویہ بن ھند (کچا کلیجہ چبانے والے کے بیٹے) کی طرف! امابعد: تمہارے مزدور میرے کھیت میں گھس آئے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اگر تم نے ان کو روکا نہیں تو پھر میرا معاملہ تم سے بڑا الجھے گا!!

معاویہ نے اس خط کو پڑھا- وہ بڑے حلیم بردبار مزاج کے تھے، اپنے بیٹے یزید کو بلایا جو کچھ تیز مزاج کے تھے، خط ان کو پیش کیا اور کہا: کیا خیال ہے تیرا، کیا جواب دیں ہم اس خط کا؟
بیٹے نے کہا: میرا خیال ہے کہ ایسا لشکر ان کے خلاف بھیجا جائے کہ اس کا اگلا حصہ مدینہ میں ہو تو

آخری حصہ یہاں آپ کے پاس دمشق میں ہوا اور وہ ابن زبیر کا سر آپ کے پاس لے آئے۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اس سے بہتر اور زیادہ محبت بھرا طریقہ میرے پاس ہے۔
حضرت معاویہ نے اس طرح خط لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے عبداللہ بن زبیر یعنی حواری رسول اور ذات النطاقین کے فرزند نیک ارجمند کی جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وبعد: میرے اور آپ کے درمیان اگر پوری دنیا کا معاملہ بھی ہو، اور وہ آپ طلب کریں تو میں اسے آپ کے حوالہ کر دوں گا، جب یہ میرا خط آپ کو مل جائے، تو میرا کھیت اپنے کھیت میں شامل کر لیں، میرے مزدوروں کو اپنے مزدور سمجھ لیں یہ سب کچھ آپ کے لئے ہے۔ والسلام!!
جب خط ابن زبیر کو ملا تو انہوں نے اسے پڑھا اور رو رو کر آنسوؤں سے اسے تر کر دیا اور معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے، ان کے سر کو بوسہ دیا اور کہا: اللہ آپ کی عقل کو ضائع ہونے سے بچائے کہ اس نے قریش میں سے آپ کو اس مقام ومنزلت پر فائز کیا ہے۔

سوم: اسلامی جھنڈے کے نیچے اتحاد

ہم دیگر امتوں سے مختلف ہیں، وطن کی محبت ہمیں اکٹھا نہیں کر سکتی، نہ ہی وطن نے ہمیں جمع کیا ہے۔ مسلمانوں کے تمام شہر ہم سب کے وطن ہیں، جہاں کہیں اللہ کا نام لیا جا رہا ہو وہ ہر مسلم کا وطن ہے۔ اسی طرح خون کے نام پر بھی ہم جمع نہیں ہیں، اس پر جمع کرنے کے دعوے لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں اللہ نے اپنی کتاب میں یہ چیز نہیں اتاری، اسی طرح ہم زبان کی بنیاد پر متحد نہیں ہیں کہ زبانیں الگ الگ ہیں۔

لیکن ہم ایک عقیدہ کی بنیاد پر جمع ہیں اور اس بنیاد پر اکٹھا ہیں جسے لے کر محمد -ﷺ- تشریف لائے ہیں، وہ ہے صرف: "**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" یہی وہ بڑی بنیادی چیز ہے جس کی وجہ سے ہم بھائی بھائی بن سکے ہیں، فرقوں اور ٹکڑوں میں جو بٹے ہوئے تھے متحد ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمارے درمیان جب کبھی کوئی دوری، نا اتفاقی جیسی صورت پیش آئے ہم اپنے دین کی طرف پلٹیں اور اس بات کو یاد کر لیں کہ ہم ایک ساتھ مل کر پانچ وقت کی نمازیں ادا کرتے ہیں، ایک قبلہ کی طرف رُخ کرتے ہیں، ایک ہی رسول کی پیروی کرتے ہیں، ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں، ہماری کتاب بھی ایک اور سنت بھی ایک الحمد للہ۔

البتہ کبھی کبھار آپس میں مل جل کر رہنے والوں میں جو اختلاف ہو جاتا ہے، محبت میں بگاڑ کا مسئلہ نہیں ہوتا، دلوں میں جو محبت ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا، (یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے) اللہ -ﷻ- کا خود ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ﴾۔ [الأنعام: ۱۱۲]۔ "اگر اللہ

تعالٰی چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کرسکتے''۔ اللہ کی مشیت سے ایسی صوت حال پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں بھی بڑی مصلحتیں ہوسکتی ہیں جنہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بعض دفعہ ہم کسی چیز کو ناپسند کریں اور اس میں بہت بھلائی ہو، ہم کوئی چیز چاہیں اور اس میں برائی نکل آئے۔ اللہ ہی کے لئے حکمتِ کاملہ ہے اس لئے اللہ کی طرف سے جو حکم ہو گیا ہے اس کو ناپسند نہ کرو، (کسی نقصان دہ چیز میں بھی فائدہ ہوتا ہے)۔ کبھی ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ ان میں انسانوں کے لئے بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، جسے لوگ اپنی عقل، اپنے پلان اور انتظامات سے معلوم نہیں کرسکتے۔

ان چیزوں کے ذریعہ انسانی قوت، رفعت و منزلت، حفاظت و حمایت، گناہوں کا کفارہ و درجات کی بلندی وغیرہ حاصل ہوتے ہیں، جبکہ انسان سمجھتا ہے کہ اس میں اسے تکلیف ہے، اس کے لئے مار ہے، مصیبت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ سب سے بہتر حکمتوں والا ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ وہ صبح وشام کہے: (رَضِيتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالاِسْلاَمِ دِيناًوَ بِمُحَمَّدٍ – ﷺ – رسولا)۔ سنن ابوداود میں صحیح سند سے ہے: کہ جس نے (رَضِيتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالاِسْلاَمِ دِيناًوَ بِمُحَمَّدٍ رسولا) کہا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

اس لئے ہم لوگوں کے آپس میں کسی دوسرے کے ساتھ دنیوی اسباب کی بنیاد پر یا اپنی ذات و شخصیات کی بنیاد پر کوئی جھگڑا یا اختلاف نہیں، (اور نہ ہونا چاہئے)، چنانچہ انسان کو چاہئے کہ وہ دین کے فائدہ، امت اور اپنے شہر اور اس کے باسیوں کے فائدہ کے لئے دوڑ دھوپ کرے،

فرقہ واریت کوختم کرنے امت کے شیرازہ کی صف بندی کی کوشش کرے، اس امت پر چھائے فتنوں کوختم کر کے اس آیت کریمہ کے سایہ تلے جگہ پانے کی کوشش کرے۔

﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعًا مَآ أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيم﴾۔ [الانفال ٦٣]۔

''ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے، زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا بھی خرچ کرڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا، یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے۔ وہ غالب حکمتوں والا ہے''۔

اے اللہ ہمیں گناہ کے ارتکاب سے محفوظ فرما، بیہودہ گفتگو وحرکات سے بچالے اور بڑے بڑے حادثوں سے ہمیں باہر نکال لے۔

اے اللہ ہمارے قدموں کو دین پر جما دے، ہمارے تیر نشانہ پر لگا دے، اسلامی جھنڈے کو ہم سے بلند کروادے اور اسلام کے ذریعہ ہماری مدد فرمادے۔

اے اللہ ہمارے دلوں سے نکال دے، ہمارے بھائیوں کے بارے میں جو کینہ ہے، پڑوسیوں کے بارے میں جو کپٹ ہے، مومنوں کو سکون پہنچا کر ہمارے دلوں کو ٹھنڈا کر۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام على المرسلين

والحمد لله رب العالمين

حواشی

مختلف جگہوں سے چند اشعار کا ترجمہ عمداً چھوڑ دیا گیا، جن کی سخت ضرورت تھی انہیں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

[١] صحيح مسلم/ كتاب السلام/ باب من حق المسلم على المسلم رد السلام، ٢١٦٢۔

[٢] سنن ابی داود/ كتاب الادب/ باب فی الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه]۔٥٢٠٠

[٣] سنن ابی داود/ كتاب الادب/ باب فی الرجل يقول انعم الله بك عينا. **حافظ نے فتح الباری میں کہا کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں لیکن سند منقطع ہے۔** قال الالبانیؒ: ضعيف

☆**اس کے بعد والی ابن ابی حاتم کی روایت** فتح الباری ١١/٦ **میں ہے۔**

[٤] سنن ابی داود/ كتاب الادب/باب كيف السلام/ ٥١٩٥۔ سنن الترمذی/ كتاب الاستئذان/ باب ما ذكر فی فضل السلام/ ٢٦٨٩۔ صحيح

[٥] صحيح البخاری/ كتاب الايمان/باب اطعام الطعام من الاسلام/١٢. صحيح مسلم/ كتاب الايمان/ باب بيان تفاضل الاسلام/ ٣٩

[٦] صحيح البخاری/ كتاب الاستئذان/ باب بدء السلام/٦٢٢٧۔ صحيح مسلم/ كتاب الجنة/ باب يدخل الجنة اقوام..../ ٢٨٤١۔

[٧] صحيح مسلم/ كتاب الايمان/ باب بيان انه لا يدخل الجنة الا المؤمنون/ ٥٤۔

[٨] كتاب الايمان/ باب افشاء السلام من الاسلام۔ مصنف عبد الرزاق ١٩٤٣٩۔

[٩] صحيح بخاری/ كتاب الاستئذان، باب ١٥/ ٥١٠٠۔ صحيح مسلم/٥٤٧٢۔

[١٠]صحيح مسلم/ كتاب الاماره/ باب فضل اعانة الغازی فی سبيل الله.../ ١٨٩٤

[١١] صحيح البخاری/ كتاب المناقب/ باب تزويج النبی خديجة و فضلها/ ٣٨٢١۔ صحيح مسلم/ كتاب فضائل الصحابة/ باب فضائل خديجة/ ٢٤٣٢

[١٢] صحيح البخاری/٣٧٦٨۔ صحيح مسلم/ ٢٤٤٧

[۱۳] سنن ابی داود/ کتاب الادب/باب کیف السلام/ ۵۱۹۵۔ ''ومغفرتہ'' کے اضافہ کے بارے میں ابن قیم نے تین علتیں بیان کی ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد ۲/ ۴۱۷، اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۱۱/ ۸ میں اس کو ضعیف قرار دیا۔(اگر یہ اضافہ سلام کے جواب میں ہو تو درست ہے۔ جیسے کسی نے سلام کرتے ہوئے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو جواب دینے والے نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ تو درست ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:الصحیحہ ۱۴۴۹۔ مترجم)۔

[۱۴] صحیح البخاری/ کتاب العلم/ باب من أعاد الحدیث ثلاثا...۔ سنن الترمذی/ کتاب الاستئذان/ باب ماجاء فی کراھیۃأن یقول....

[۱۵] الأدب المفرد للبخاری ۱۰۷۳۔ زاد المعاد کے محقق نے کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے(لیکن شیخ البانیؒ نے صحیح الادب المفرد میں سعد کے واقعہ کے بارے میں لکھا کہ وہ صحیح ہے۔مترجم)

[۱۶] سنن الترمذی/۲۶۹۷۔ سنن ابی داود/ ۵۲۰۴۔ سنن ابن ماجہ/ ۳۷۰۱ اور الادب المفرد للبخاری، ۱۰۴۷۔(''ہاتھ کے اشارے سے'' یہ ترمذی کے الفاظ ہیں بقول شیخ البانیؒ یہ ضعیف ہے، باقی روایت صحیح ہے۔مترجم)۔

[۱۷] صحیح البخاری/ کتاب الجمعہ/ باب قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ.../ ۹۳۸۔

[۱۸] صحیح البخاری/ کتاب الاستئذان/ باب تسلیم القلیل علی الکثیر/ ۶۲۳۱ اور اس کے بعد کے ابواب۔ صحیح مسلم/ کتاب السلام/ باب یسلم الراکب علی الماشی/ ۲۱۶۰۔

[۱۹] کتاب الادب/ باب ماجاء فی رد الواحد عن الجماعۃ/ ۵۲۱۰،شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے

[۲۰] صحیح ابن حبان/ البر والصلہ/ ذکر البیان بأن الماشیین.../ ۴۹۸۔ هَيْثَمِی نے المجمع الزوائد ۸/ ۳۹ میں کہا کہ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں

[۲۱] مسند أحمد ۵/ ۲۵۴، ۲۶۱ ...۔ سنن أبی داود/ کتاب الادب/باب فی فضل من بدأ السلام/ ۵۱۹۷۔ بروایت ابوامامہ۔صحیح الجامع للألبانیؒ ۲۰۱۱

[۲۲] یہ الفاظ ابن عدی نے کامل ۲/ ۳۰۳ میں بیان کئے،اس کی سند ضعیف ہے،طبرانی نے اوسط میں ذکر

کیا ہے،ھیثمی نے المجمع ٨/٣٥ میں کہا کہ اس میں ھارون بن محمد ابوطیب ہے وہ جھوٹا ہے۔ابن السنی نے دوسرے طریق سے ان لفظوں میں روایت کیا ہے: ”مَنْ بَدَأَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلاَ تُجِيبُوهُ“ دیکھئے: عمل اليوم والليلة رقم: ٢١٤، شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا الصحيحة رقم: ٨١٦۔

[٢٣] سنن ترمذى/ كتاب الاستئذان/ باب ماجاء فى التسليم قبل الاستئذان۔ سنن أبى داود/ كتاب الادب/ باب كيف الاستئذان/ ٥١٧٦۔ مسند أحمد ٣/٤١٤، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا الصحيحه ٨١٨

[٢٤] سنن ابى داود/ كتاب الادب/ باب كم مرة يسلم.../ ٥١٨٦۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا صحيح الجامع ٤٦٣٨۔

[٢٥] سنن ابى داود/ كتاب الادب/ باب كراهية أن يقول عليك السلام/ ٥٢٠٩۔ سن ترمذى/ كتاب الاستئذان/ باب ما جاء فى كراهية أن يقول عليك السلام مبتدئا۔ أحمد ٥/٦٣، ٦٤۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا، صحيح الجامع ٧٤٠٢

[٢٦] سنن ابى داود/ كتاب الادب/باب فى السلام اذا قام من المجلس/ ٥٢٠٨۔ سنن ترمذى/ كتاب الاستئذان/ باب ماجاء فى التسليم عند القيام و عند القعود/ ٢٧٠٦۔ مسند أحمد ٢/٢٣٠، ٢٨٧، ٤٣٩۔ الأدب المفرد، ١٠٠٧، ١٠٠٨، مسند الحميدى، صحيح ابن حبان

[٢٧] كتاب الأدب/ باب فى الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه/ ٥٢٠٠۔

[٢٨] طبرانی اوسط میں ہے اس حدیث کو ہیثمی نے مجمع الزوائد ٨/٣٧ میں ذکر کیا۔ابن السنی نے عمل اليوم والليله، ٢٤٥۔ الأدب المفرد للبخارى ١٠١١،اس حدیث کی سند کو ہیثمی نے مجمع الزوائد ٨/٣٧ میں حسن کہا۔

[٢٩] صحيح البخارى/ كتاب الأذان/ باب وجوب القراءة للامام والمأموم..../ ٧٥٧۔ صحيح مسلم/ كتاب الصلاة/ باب وجوب قراءة الفاتحه/ ٣٩٧ [٣٠] صحيح مسلم/ كتاب الأشربه/ باب اكرام الضيف... / ٢٠٥٥۔

[٣١] كتاب الاستئذان/ باب ماجاء فى السلام قبل الكلام/ ٢٦٩٩۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔اور شیخ البانیؒ نے ضعيف الجامع ٣٣٧٣ میں موضوع کہا۔

[☆] (بقول شیخ البانیؒ یہ حدیث دیگر احادیث کی تائید کی وجہ سے قوی ہے، البتہ اسی سند سے مروی اس سے اگلا جملہ **لا تدعوا احدا الی الطعام حتی یسلم** موضوع ہے۔ دیکھئے: سنن الترمذی تحقیق شیخ البانیؒ حدیث نمبر ۲۶۹۹ اور سلسلة الصحيحه للالبانی حدیث نمبر ۸۱۶۔ از مترجم)۔

[۳۲] صحيح مسلم/ كتاب السلام/باب االنهى عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام...، ۲۱۶۷۔ أبوداود، ۵۲۰۵۔ ترمذی، ۲۷۰۰

[۳۳] صحيح البخاری/ كتاب الاستئذان/ باب التسليم فی مجلس ..../ ٦٢٥٤۔ صحيح مسلم/ كتاب الجهاد/ باب فی دعاء النبی الی الله/ ۱۷۹۸۔ مسند احمد ٥/٣٠٢۔

[٣٤] بخاری، بدء الوحی، ۷، الاستئذان، ٦٢٦١۔ مسلم، الجهاد، كتاب النبی الی هرقل، ۱۷۷۳

[٣٥] صحيح البخاری/ كتاب المغازی/ باب حديث كعب/ ٤٤١٨۔ صحيح مسلم/ كتاب التوبه/ باب حديث توبة كعب.../ ٢٧٦٩۔

[٣٦] صحيح البخاری/ كتاب الأدب/ باب الهجره/ ٦٠١٧٧۔ صحيح مسلم/ كتاب البر والصله/ باب تحريم الهجر.../ ٢٥٦٠۔

[☆] (یہاں شیخ ابن عثیمینؒ کی ایک بات بڑی اچھی لگی کہ جو مسلمان کسی نیکی کو چھوڑے یا کسی حرام کا ارتکاب کرے اس کو نصیحت وغیرہ کرنے کے بعد اگر اس سے قطع تعلق کی صورت میں اس کی اصلاح کی امید ہو تو اس سے قطع تعلق لازم ہوگا اگر قطع تعلق کی وجہ سے اور زیادہ سرکشی پر اتر آنے کا اندیشہ ہو تو اس سے قطع تعلق بہتر نہیں بلکہ نصیحت ہی کرتا رہے یا جو دوسرا طریقہ احسن ہو اسے اختیار کرے۔ مترجم)۔

[٣٧] صحيح البخاری/ كتاب النكاح/ باب حق اجابة الوليمه/ ٥١٧٣۔ صحيح مسلم/ كتاب النكاح/ باب الامر باجابة الداعی.../ ١٤٢٩۔

[٣٨] صحيح البخاری/ كتاب النكاح/ باب من ترك الدعوة.../ ٥١٧٧۔ صحيح مسلم/ كتاب النكاح/ باب الأمر باجابة الداعی.../ ١٤٣٢۔

[٣٩] صحيح مسلم/ كتاب النكاح/ باب الأمر باجابة الدعوة/ ١٤٣٠۔

[٤٠] ترمذی، النکاح، ماجاء فی الولیمة،١٠٩٧، أحمد ٥/٢٨۔ **اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، بخاری بھی اس حدیث کو ضعیف سمجھتے ہیں۔**

[٤١] صحیح البخاری/کتاب النکاح/ باب حق اجابة الولیمه....

[٤٢] صحیح مسلم/ کتاب الایمان/ باب بیان ان الدین النصیحة/ ٥٥۔

[٤٣] صحیح البخاری/ کتاب المظالم/ باب أعن أخاك ظالما أو مظلوما/ ٢٤٤٤۔صحیح مسلم/ کتاب البر والصله/ باب نصر الأخ ظالما أو مظلوما/ ٢٥٨٤۔

[٤٤] صحیح البخاری/ کتاب الأدب/ باب ما یستحب من العطاس..../ ٦٢٢٣۔

[٤٥] =/=/ باب اذا عطس کیف یشمت/ ٦٢٢٤۔ مسند احمد ٢/٣٥٣۔

[٤٦] صحیح البخاری/ کتاب الأدب/ باب الحمد للعاطس..../ ٦٢٢١۔ صحیح مسلم/ کتاب الزهد/ باب تشمیت العاطس/ ٢٩٩١۔ مسند احمد ٣/١٠٠، ١١٧۔

[٤٧] مسلم/ کتاب الزهد/ باب تشمیت العاطس/ ٢٩٩٢۔ أحمد ٤/٤١٢

[٤٨] سنن أبی داود/ کتاب الأدب/ باب فی العطاس، ٥٠٢٩۔ سنن الترمذی/ کتاب الأدب/ باب ماجاء فی تخفیض الصوت....، ٢٧٤٥۔ مسند أحمد ٢/٤٣٩۔ عمل الیوم واللیله لابن السنی، ص١٣٢، ر ٢٦٥ **اس کی سند حسن ہے، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے دیکھئے** مستدرك ٤/٢٦٤، **شیخ البانیؒ نے بھی اس کو صحیح کہا**، صحیح الجامع ٤٧٥٥

[٤٩] عمل الیوم واللیلةص ١٣٢، حدیث نمبر ٢٦٤، **اور شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا**،ضعیف الجامع ٢٥٠٥

[٥٠] ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة ص ١٣٣، ر ٢٦٧۔ **شیخ البانیؒ نے اس حدیث پر موضوع کا حکم لگایا ہے،** ضعیف الجامع ١٧٥٦۔ **میں کہتا ہوں: اس حدیث کی آفت علی بن عروہ ہے، جس کے بارے میں حافظ نے** تقریب ص ٤٠٣ **میں کہا: وہ آٹھویں طبقہ سے ہے متروک ہے (یعنی جس کی حدیثوں کو نہیں لیا جاتا)**

[٥١] سنن أبی داود/ کتاب الأدب/باب کم مرة یشمت العاطس/ ٥٠٣٤، **یہ حدیث مرفوع وموقوف دونوں طرح مروی ہے، شیخ البانیؒ نے اس کو حسن قرار دیا**، صحیح الجامع ٣٧١٥۔

[٥٢] صیح مسلم/ کتاب الزهد/باب تشمیت العاطس/ ٢٩٩٣۔ سنن ترمذی ٢٧٤٣۔

[٥٣] زاد المعاد ٢/٤٤١

[٥٣ب] (لیکن آپ نے اگر یاددلایا تو یہ برا بھی نہیں، امید ہے کہ آپ ماجور ہوں، اس لئے کہ مسلم معاشرہ میں کئی افراد ایسے ہیں جو اس طرح کی سنتوں سے ناواقف ہیں، اب آپ یاددلائیں گے تو آس پاس والوں کو پتہ بھی چلے گا، اور یہ ایسی چیز ہے کہ متعدد بار یاددلانے سے اس کا رواج ہوگا۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے۔ جہاں تک ابوداود کی مذکورہ حدیث کہ آپ-ﷺ- نے یاد نہیں دلایا، وہیں یہ صراحت بھی ہے کہ اس نے پوچھ لیا اور اس کو تعلیم بھی ہوئی، اسی لئے بعض ائمہ کرام جیسے چند ایک کا نام اوپر ذکر ہوا یاددلانے کے قائل ہیں۔ اس لئے یاد نہ دلانے کو ایک مسئلہ بنا کر اس حدیث سے دلیل نہ پکڑی جائے۔ مترجم)۔

[٥٤] سنن أبی داود/ کتاب الأدب/باب کیف کشمت الذمی/ ٥٠٣٨۔ سنن الترمذی/ کتاب الأدب/ باب ماجاء کیف تشمیت العاطس، ٢٧٣٩۔ أحمد ٤/٤٠٠، ٤١١۔ أدب المفرد، ٩٤٠ **ترمذی، نووی اور حاکم نے**[مستدرك ٤/٢٦٨] **صحیح کہا**

[٥٥] صحیح مسلم/ کتاب البر/باب فضل عیادة المریض/ ٢٥٦٨۔

[٥٦] صحیح البخاری/ کتاب المغازی/ باب حجة الوداع/ ٤٤٠٩۔ صحیح مسلم/ کتاب الوصیة/ باب الوصیة بالثلث/ ١٦٢٨۔

[٥٧] البخاری، المرضیٰ، عیادة الأعراب، ٥٦٥٦

[٥٨] سنن الترمذی/ کتاب الجنائز/ باب آخر/ ١٠٤، **ترمذی نے اسے غریب کہا اور شیخ البانیؒ نے** ضعیف الجامع ٥٥١٣ **میں ضعیف کہا**

[٥٩] صحیح البخاری/ کتاب الجنائز/ باب من انتظر حتی تدفن/ ١٣٢٥۔ صحیح مسلم/ کتاب الجنائز/ باب فضل الصلاة علی الجنازه.../ ٩٤٥

[٦٠] سنن أبوداود/ کتاب الجنائز/ باب المشی أمام الجنازه/ ٣١٧٩۔ ترمذی، ١٠٠٧۔ نسائی، ١٩٤٤۔ ابن ماجه ١٤٨٢۔ أحمد ٢/٨۔ **اس حدیث کی صحت کے بارے میں پڑھئے** التلخیص الحبیر ٢/١١٨،١١٩ الاحسان ٧/٣١٧، رقم ٣٠٤٥۔

[٦١] صحيح البخاری/ كتاب الجنائز/ باب اتباع النساء الجنائز، ١٢٧٨ ۔ مسلم، ٩٣٨

[٦٢] سنن الترمذی/ كتاب صفة القيامه/ ٢٤٩٩ ۔ ابن ماجه ، الزهد، ذكر التوبه، ٤٢٥١ ۔ أحمد ٣/١٩٨ ۔ دارمی، الرقاق، فی التوبه، ٢٦١١ ۔ مستدرك حاكم ٤/٢٤٤، حاکم نے کہا: صحیح الاسناد ہے، بخاری ومسلم نے روایت نہیں کی۔ شیخ البانیؒ نے صحيح الجامع ٤٥١٥ میں حسن کہا ہے]۔

[٦٣]أبوداود، الطهاره، ما ينجس الماء، ٦ ۔ ترمذی، الطهاره، ٦٧ ۔ نسائی، الطهاره، التوقيت فی الماء، ٥٢ ۔ یہ حدیث صحیح ہے، ابن خزیمہ، حاکم، ابن حبان اور شیخ أحمد شاکر نے تعليق ترمذی ١/٩٨ میں اور شیخ البانیؒ نے ارواء الغليل ٢٣ میں صحیح کہا۔

[٦٤]أبوداود، الحدود، فی الحد يشفع فيه، ٤٣٧٥ ۔ أحمد ٦/١٨١ ۔ شیخ البانیؒ نے صحيح أبی داود اور صحيح الجامع ١١٨٥ میں صحیح کہا۔

[٦٥] البخاری، الحدود، ما يكره من لعب شارب الخمر....، ٦٧٨٠

[٦٦] البخاری، الحدود، الضرب بالنعال والجريد، ٦٧٨١ ۔ [٦٧] (یہ واقعہ بخاری شریف میں مروی ہے)۔

[٦٨] البخاری، التفسير، قوله: يقولون لئن رجعنا الى المدينة....، ٤٩٠٧ ۔ مسلم، البر، نصر الأخ ظالما أو مظلوما، ٢٥٨٤ ۔